کربلا اور مقصدِ کربلا کو سیکھنے اور سمجھنے کیلئے

# کربلا کی باتیں

(جوانوں کے لیے)

تحقیق و تحریر

ڈاکٹر کاظم کمیل

آئیں! امام حسینؑ، ان کے خانوادہ اور اصحاب پر سلام بھیجیں۔

## اَلسَّلامُ عَلَی الْحُسَیْنِ

سلامتی ہو امام حسینؑ پر

## وَ عَلٰی عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ

اور سلامتی ہو امام علی ابن حسینؑ پر

## وَ عَلٰی اَوْلادِ الْحُسَیْنِ

اور سلامتی ہو اولادِ امام حسینؑ پر

## وَ عَلٰی اَصْحابِ الْحُسَیْنِ

اور اصحابِ امام حسینؑ پر سلامتی ہو

# فہرست


اپنی بات ----------------------------

انتساب ----------------------------

ہدایت نامہ برائے والدین و اساتذہ -----------

کربلائی کا تعارف ----------------------------

فیصلے کی رات ---------------------------- 01

کعبہ سے کربلا تک ---------------------------- 08

حج کا مسافر ---------------------------- 16

جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا شخص ----------- 22

تاریک رات اور دو پہاڑیاں ------------------- 32

شہد سے شیریں موت ------------------- 40

علمدارِ لشکر ------------------- 47

قیامت خیز دن اور کمسن شہید ------------------- 55

شامِ غریباں ---------------------------- 65

صرف بہتر (72) کیوں؟ ---------------------------- 72

# اپنی بات

## بسم ربّ الشہداء

إنّ الحسین مصباح الهدی و سفینة النجاة

خالقِ کائنات نے امام حسین علیہ السلام کو ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی قرار دیا ہے۔

بے شک امام حسین علیہ السلام کا یہ سفینہ اور چراغ عمر، رنگ اور نسل کا لحاظ کیے بغیر ہر ایک کے لیے ہدایت کا سامان اور نجات کی وجہ بنتے ہیں۔ عرصہ دراز سے کوشش تھی کہ کربلا کے موضوع پر نوجوانوں کے لیے ایک علمی کاوش کی جائے جو اُن کے لیے واقعہ کربلا کے محرکات، قیام امام حسین علیہ السلام کا زمینی نقشہ اور امام عالی مقام علیہ السلام کے سفر کی بعض اہم منازل کے نمایاں واقعات کو بیان کرے۔

کوشش رہی ہے کہ اس کتاب میں واقعاتِ کربلا کو کہانی کی صورت میں لکھنے کے ساتھ ساتھ تحریکِ کربلا نوجوانوں کو یوں سمجھائی جائے کہ وہ اِس سے اپنے لیے "نظریہ زندگی" اخذ کر سکیں۔ اور وہ تحریک کربلا سے صرف واقعات کی حد تک آشنا نہ ہوں بلکہ "نظریہ کربلا" سے بھی آگاہ ہوں تا کہ اسی پر اپنی زندگی کو استوار کر سکیں۔

یہ کتاب تحریک کربلا کے پہلے حصے یعنی مدینہ روانگی سے شامِ غریباں تک کے بعض اہم واقعات پر مشتمل ہے۔ اس تحریک کا دوسرا حصہ (از عاشوراء تا مدینہ) تحریر کی صورت میں پیش کرنے کے لیے خدا سے توفیق کا طالب ہوں۔

اس کتاب کو کتابی صورت میں آپ کے سامنے لانے کے لیے جناب ڈاکٹر محسن رضا ہاشمی صاحب کا علمی تعاون ہر لمحہ حاصل رہا۔ اُن کے علاوہ محترم دوست اور بھائی جناب سجاد حیدر صاحب کا بے لوث فنی و علمی تعاون اگر

شاملِ حال نہ ہوتا تو یہ کتاب ہر گزیوں جاذبِ نظر اور پر کشش نہ ہوتی۔اِن برادران کے بیش بہا اور پر از خلوص تعاون پر اُن کی خدمت عالیہ میں "اظہار تشکر" پیش کرتا ہوں۔

ان کے علاوہ جن احباب نے بھی کسی نوعیت کا تعاون کیا ہے، میں ان سب کا شکر گزار ہوں اور خالقِ کائنات سے ان کی کاوشوں کی قبولت کے لیے دعا گو ہوں۔

قارئین کے لیے یہ کتاب یقیناً نقائص سے خالی نہیں ہوگی۔ ہم آپ کی راہنمائی اور کتاب کے بارے قیمتی آراء کے منتظر رہیں گے۔ان شاء اللہ

کاظم حسین کمیل

# ہدایت نامہ برائے والدین/اساتذہ

## اس کتاب کو کیسے پڑھیں؟

یہ کتاب امام حسینؑ کے مدینہ چھوڑنے سے لے کر شامِ غریباں تک کے بعض اہم واقعات پر مشتمل ہے۔کتاب بچوں کے لیے کہانی کی صورت میں لکھی گئی ہے اور کہانی کو ایک فرضی کردار "کربلائی" کی زبانی بیان کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو تمام واقعات ایک بچے کی ہی زبان سے آسانی کے ساتھ اور تفصیل سے سمجھائے جا سکیں۔ البتہ کہانی میں بیان کیے گئے تمام واقعات مستند اور تحقیقی حوالوں مأخوذ ہیں۔

ہر واقعہ سے متعلق کچھ گائیڈ لائنز علیحدہ سے دی گئی ہیں جب کہ کتاب میں جا بجا کہانی سے متعلقہ اضافی معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں تاکہ بچوں کے اسلامی جنرل نالج میں بھی اضافہ ہو۔

حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ بچوں کو "واقعہ کربلا" کی بجائے "تحریک کربلا" سمجھائی جائے، اور اس تحریک کے واقعات اُن کے تخیل میں اتارا جائے تاکہ وہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ اپنے فکر و خیال میں خود کو اس تحریک کا حصہ سمجھیں۔

کتاب کو اس سوچ کے ساتھ اور اس انداز میں لکھا گیا ہے کہ والدین اپنے بچوں کے ساتھ مل کر کہانی پڑھیں اور کہانی مکمل ہونے کے بعد آخر میں دیے گئے "درسِ کربلا" کے نکات کو اُن کے ساتھ ڈسکس کریں۔اگر آپ اپنے بچوں کو جمع کر کے روزانہ ایک کہانی سنائیں اور پھر اس موضوع پر ان کی راہنمائی کریں تو یہ کتاب آپ کے گھر کو "عزاخانہ" میں بدل سکتی ہے ۔

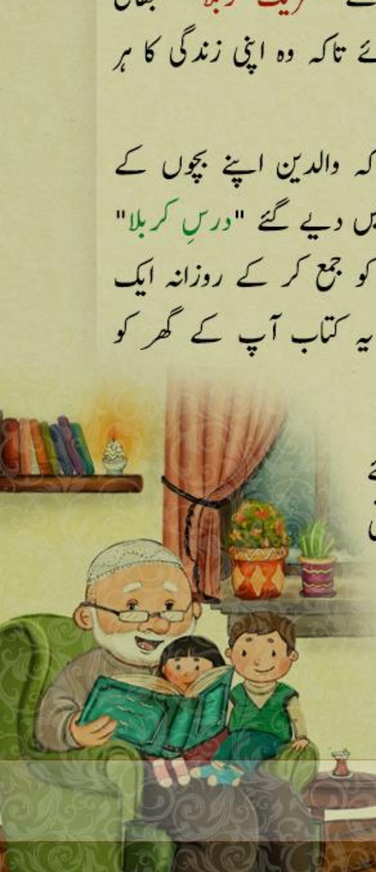

محترم والدین! ہم پراُمید ہیں کہ ان واقعات کو پڑھتے ہوئے آپ کی اپنے بچوں کے ساتھ موجودگی اورراہنمائی انہیں نظریاتی طورپر حسینی بننےمیں مددگار ثابت ہوگی۔

ننھے عزادارو! السلام علیکم!

میرا نام کربلائی ہے اور میں اکثر تمہیں مجالس اور جلوس میں دیکھتا رہتا ہوں، اور مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے میری تم سے دوستی ہو گئی ہو۔

دوستو! یقیناً تم سب مجلس میں خطیب صاحب سے سنتے رہتے ہو کہ امام حسین علیہ السلام نے مدینہ کیوں چھوڑا تھا اور کربلا میں کیا ہوا تھا؟ لیکن آؤ آج میں تمہیں مدینہ سے لے کر عاشوراء تک "کربلا کی باتیں" بہت آسان لفظوں میں بتاتا ہوں تاکہ ہم سب بھی ویسا سوچ کر اور ویسا ہی کر کے "حُسینی" بن سکیں۔

امام حسینؑ کا عزادار

**کربلائی**

ہمارا جوان ہماری امید

کربلا کی باتیں (جوانوں کے لیے)

# فیصلے کی رات

> دوستو! یقیناً تم سب مجلس میں خطیب صاحب سے سنتے رہتے ہو کہ امام حسین علیہ السلام نے مدینہ کیوں چھوڑا تھا اور کربلا میں کیا ہوا تھا؟ لیکن آؤ آج میں تمہیں یہ سب بہت آسان لفظوں میں بتاتا ہوں تاکہ ہم سب بھی ویسا سوچ کر اور ویسا ہی کر کے "حسینی" بن سکیں۔
> ہم اپنی بات اُس رات سے شروع کرتے ہیں جو "فیصلے کی رات" تھی۔

یہ آدھی رات کا وقت تھا، عَمرو ابن عثمان نے اپنا چہرہ ڈھانپا ہوا تھا اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کسی کی تلاش میں مدینہ کی گلیوں سے گزر رہا تھا۔

وہ ادھر ادھر کسی گھر میں جھانکنے اور داخل ہونے کی بجائے سیدھا مسجد نبوی پہنچا، اسے یقین تھا کہ جس شخص کو وہ تلاش کر رہا ہے وہ آدھی رات کے وقت بھی مسجد میں ہوگا۔

عمرو اپنے جوتے اتار کر مسجد میں داخل ہوا تو اُس نے دیکھا کہ توقع کے عین مطابق مسجد کا چراغ روشن ہے اور اللہ کا ایک بندہ سجدے کی حالت میں اپنے خدا سے باتیں کر رہا ہے۔

یہ ساٹھ ہجری کا زمانہ تھا اور رجب کی اٹھائیسویں رات تھی۔ نماز پڑھنے والے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حسین ابن علی علیہ السلام تھے اور اُن کی تلاش میں آنے والا وہ شخص ولید ابن عتبہ کا قاصد تھا جو امامؑ کے نام کوئی پیغام لایا تھا۔

**عزیز دوست!**

۶۰ ہجری ماہِ رجب کے آخری دنوں میں یزید کے باپ کی موت واقع ہوئی۔ اپنے باپ کی موت کے بعد یزید نے مسلمانوں کے خلیفہ ہونے کا دعوی کیا اور مسلمانوں سے تقاضہ کیا کہ وہ سب اس کی بیعت کریں۔ حالانکہ سب لوگ جانتے تھے کہ یزید ایک ایسا فاسق و فاجر شخص ہے، جو اسلام کا کھلے عام مذاق اڑاتا ہے اور علی الاعلان شراب پیتا ہے۔

یزید کو ڈر تھا کہ اُس کی اِن عادتوں کی وجہ سے لوگ اسے خلیفہ تسلیم نہیں کریں گے اور اس کی بیعت سے انکار کر دیں گے۔ لہٰذا اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جو لوگ اس کے خلیفہ ہونے کے رستے میں رکاوٹ بن سکتے ہیں اُن پر دباؤ ڈال کر سب سے پہلے اُن کی بیعت لی جائے اور اگر وہ انکار کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے تاکہ پھر کسی شخص میں بیعت کے انکار کی جرأت نہ ہو۔ اسی لیے مدینہ کے لوگوں تک معاویہ کی موت کی خبر پہنچنے سے پہلے ہی، ولید نے آدھی رات کے وقت

قاصد بھیج کر امام حسین علیہ السلام کو بلایا تھا تاکہ اُن سے یزید کی بیعت کروالی جائے اور پھر جب مدینہ کے لوگ دیکھیں گے کہ امام حسین علیہ السلام نے بیعت کرلی ہے تو کوئی بھی یزید کی بیعت پر اعتراض نہیں کرے گا۔

قاصد امام حسین علیہ السلام کو پیغام دے کر واپس چلا گیا۔ امامؑ مسجد سے اپنے گھر گئے، جہاں آپؑ نے تیس مسلح ہاشمی جوانوں کو تیار کرکے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ دربار کے باہر تیار کھڑے رہیں۔ آپؑ نے انہیں بتایا کہ اگر ضرورت پڑی تو میں تمہیں اندر بلاؤں گا پھر تم دربار میں داخل ہو جانا۔

یوں رات کے پچھلے پہر ولید سے آپؑ کی ملاقات ہوئی تو اُس نے امام حسین علیہ السلام کو حاکمِ شام کی موت کی اطلاع دی اور اُن کے سامنے یزید کی بیعت کا مطالبہ رکھا۔ امامؑ نے اُس کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

چونکہ تم چاہتے ہو کہ اہلِ مدینہ کو بتاؤ کہ حسینؑ نے یزید کی بیعت کرلی ہے، تو یہ زیادہ مناسب ہے کہ کل دن کی روشنی میں مجھے اُن سب کے سامنے بلاؤ تاکہ میں لوگوں کے سامنے اپنا فیصلہ سناؤں۔

ولید آپؑ کی بات سے متفق تھا، مگر مروان نے جو وہیں بیٹھا تھا، ولید کو اشارے سے یہ بات سمجھائی کہ اگر تم نے حسینؑ سے ابھی بیعت نہ لی اور وہ یہاں سے ایک بار واپس چلے گئے تو پھر تمہارے قابو میں کبھی نہ آئیں گے، لہٰذا ابھی اور اسی وقت اُن سے بیعت لے لو، اگر وہ انکار کرتے ہیں تو یزید کے حکم کے مطابق انہیں اِسی وقت قتل کردو۔

امام حسین علیہ السلام اس کے اشارے کو سمجھ گئے تھے۔ آپؑ نے مروان کی طرف رخ کیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا:

"تم دونوں میں سے کس کی جرأت ہے کہ مجھے قتل کرے، تم جھوٹ بولتے ہو (اور تم میں یہ ہمت نہیں کہ تم مجھے ہاتھ بھی لگا سکو)۔"

یہ دیکھ کر وہاں موجود ہر شخص سہم گیا۔ امام حسین علیہ السلام دوبارہ ولید سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

"جان لو کہ ہمارا تعلق نبوت کے گھر سے ہے۔ ہم وہ ہیں جن کے گھروں میں فرشتوں کا آنا جانا رہتا ہے۔ اسلام ہمارے گھر سے شروع ہوا اور آخر تک ہمارے گھر کے ہمراہ رہے گا۔ اور دوسری طرف یزید ہے جس کی بیعت کی تم مجھ سے توقع کر رہے ہو، (جانتے ہو وہ کون ہے!) وہ شراب خور ہے، بے گناہ افراد کا قاتل ہے، کھلے عام گناہ کرتا ہے، مجھ جیسا شخص کسی صورت اس جیسے شخص کی بیعت نہیں کر سکتا۔ تم بھی صبح کا انتظار کرو ہم بھی صبح کا انتظار کرتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے۔"

اس دوران ان باتوں کا شور کمرے سے باہر جا پہنچا۔ امامؑ کے ساتھ آنے والے لوگوں نے جب خطرہ محسوس کیا تو کچھ افراد دربار میں داخل ہو گئے اور پھر بات یہیں ختم ہو گئی۔

اس سارے معاملے کے بعد پر امام حسین علیہ السلام گھر واپس جانے کی بجائے سیدھا مسجد نبوی گئے۔ نانا کی قبر پر جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دیر تک باتیں کرتے رہے اور اپنے نانا سے کہنے لگے کہ:

"نانا میں فاطمہؑ کا بیٹا حسینؑ ہوں۔ میں وہ حسینؑ ہوں جس کو آپؐ نے اُمت کی ہدایت کے لیے اپنے پیچھے چھوڑا تھا۔ لیکن نانا میں ایک شکوہ لے کر آپؐ کی قبر پر آیا ہوں۔ آپ گواہ رہنا کہ مجھے آپ کی اُمت نے تنہا اور بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے۔ نانا میرا شکوہ کبھی ختم نہ ہوگا یہاں تک کہ آپؐ کے پاس پہنچ جاؤں۔"

**بیعت**

بیعت ایک دو طرفہ معاہدہ ہے جس میں بیعت کرنے والا، بیعت لینے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اُس کی اطاعت، پیروی، حمایت اور دفاع کرنے کا عہد کرتا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

پھر وہیں پر دو رکعت نماز پڑھی، اور ہاتھ اٹھا کر پروردگار سے یوں دعا کی کہ

"اے میرے اللہ ! یہ تیرے نبی ﷺ کی قبر ہے
اور میں تیرے نبیؐ کا نواسہ ہوں۔جو حالات مجھے پیش آگئے ہیں تو انہیں خوب جانتا ہے۔ میرے اللہ تو جانتا ہے کہ تیرا حسینؑ کس قدر نیکی سے محبت کرتا اور برائی سے نفرت کرتا ہے۔ان حالات میں میرے لیے وہ رستہ اختیار فرما جو تیری ذات کو اور میرے ناناؐ کو میرے لیے پسند ہو۔"

نانا کی قبر کے بعد اپنی ماں فاطمۃ الزہراء علیہا السلام اور اپنے بھائی حسن مجتبی علیہ السلام کی قبر پر گئے۔ رات کا بقیہ حصہ وہیں گزار دیا۔ صبح ہوئی تو اپنے پیاروں کی قبروں سے لپٹ کر الوداع کیا اور پھر اپنے گھر لوٹ آئے۔

حالات صاف بتا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے شہر میں امام حسینؑ کی زندگی کو سخت خطرہ تھا اور اب مدینہ اُن کے لیے محفوظ نہیں رہا تھا۔یزید نے مدینہ کے گورنر کو امام حسین علیہ السلام سے بیعت لینے اور انکار کی صورت میں قتل کر دینے کا حکم جاری کیا تھا۔ امامؑ نے اپنے قریبی ساتھیوں کو بتایا کہ وہ کسی صورت یزید کی بیعت نہیں کریں گے چاہے انہیں مدینہ چھوڑنا پڑے اور اپنی جان بھی قربان کرنا پڑے۔اور بالآخر مدینہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

مگر اب سوال یہ تھا کہ ان حالات میں امام حسین علیہ السلام کہاں جائیں تاکہ اُن کے قتل کرنے کا ارادہ رکھنے والے لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ سکیں؟ ایسے حالات میں امامؑ نے مدینہ چھوڑ کر ایک ایسے خطے میں جانے کا فیصلہ کیا جو امن کا گھر ہے اور جہاں آنے والا خواہ انسان

ہو یا حیوان اسے امان مل جاتی ہے۔ جہاں اسلحہ لے جانا منع ہے اور جہاں جنگ و جدال اور قتل و غارت ممنوع ہے کیونکہ وہاں جو بھی چلا جائے وہ اللہ کی امان میں آجاتا ہے۔ یہ جگہ مکہ کی پاک سرزمین یعنی حرمِ کعبہ ہےاور اب یہی امام علیہ السلام کی اگلی منزل تھی۔

بالآخر ۲۸ رجب ساٹھ ہجری کا سورج طلوع ہوا۔ یہی وہ دن تھا جب امام حسین علیہ السلام اپنے اہل بیت اور اصحاب و انصار پر مشتمل ۸۲ افراد کا قافلہ لے کر مدینہ سے مکہ کے لیے نکلے۔

اور پانچ دن لگاتار سفر کرنے کے بعد تین شعبان کو "**مکہ**" پہنچے۔

بیت اللہ کے زائرین اور اہلیانِ مکہ نے آپؑ کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور بہت خوش ہوئے۔ یہاں لوگ صبح شام آپؑ کے پاس آنے لگے اور امام علیہ السلام انہیں دینی امور اور احکام سکھانے میں مصروف ہو گئے۔ آپؑ انہیں شرعی احکام کے ساتھ ساتھ یزید اور اس کے کرتوتوں سے بھی باخبر کرتے تاکہ لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ یزید جیسا بدکردار شخص ان کا خلیفہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

### امن کا گھر

شہرِ مکہ کو "امن کا گھر" کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ "اے ربّ! اس جگہ کو امن کا شہر بنا دے"۔ (البقرة:۱۲۶)

تو اللہ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے اس گھر کو خطۂ امن قرار دیا اور فرمایا کہ:

"جو اس میں داخل ہوا وہ امان والا ہو گیا"۔

(آلِ عمران:۹۷)

کیا آپ جانتے ہیں؟

## درسِ کربلا

کربلا کی اس منزل سے ہمیں چند ایک باتیں معلوم ہوئیں۔

- پہلی بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ ہمارا مکتب عبادت، دعا اور مناجات کے عاشقوں کا مکتب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دشمن کا قاصد بھی جانتا تھا کہ آدھی رات کے وقت بھی فرزندِ زہراءؑ ، مسجد میں ملیں گے۔ اسی لیے وہ سیدھا مسجد گیا۔
- زندگی و موت کی ضامن خدا کی ذات ہے مگر زندگی کی حفاظت کے اسباب مہیا کرنا انسان کے ذمہ ہے۔اس لیے امام حسین علیہ السلام بے وقت بلائے جانے پر خطرہ محسوس کر رہے تھے اور ہاشمی جوانوں کو اپنے ساتھ محافظ کے طور پر لے گئے تھے۔
- معرکہ کربلا، امام حسین علیہ السلام اور یزید کی نہیں بلکہ دو کرداروں کی قیامت تک جاری رہنے ولی جنگ ہے جس میں حسینؑ جیسا یزید جیسے کے سامنے کبھی جھک نہیں سکتا۔ اسی لیے امام حسینؑ نے فرمایا تھا کہ مثلی لا یبایع مثلہ میرے جیسا اُس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔
- مومن ہر مشکل میں خدا کی ذات سے اپنا مسئلہ بیان کرتا اور اسی سے مشکلات کا حل چاہتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام مسجد نبوی گئے اور اپنی مشکل پروردگار سے بیان کی۔

# مشق

۱. آدھی رات کو مدینہ کی گلیوں میں چلنے والا وہ شخص کون تھا اور وہ کس کے گھر جا رہا تھا اور کیوں؟

۲. مدینہ کا والی رات کے وقت ہی امام حسینؑ سے کیوں ملنا چاہتا تھا؟ اُس نے صبح کا انتظار کیوں نہ کیا؟

۳. امام حسینؑ کس کو اپنے ساتھ لے کر والی مدینہ کے پاس گئے؟ اور اپنے ساتھیوں کو کیا حکم دیا؟

۴. جب ولید نے امام حسینؑ کو حاکم شام کی موت کی اطلاع دی اور امامؑ سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا تو امامؑ نے کیا جواب دیا؟

۵. بیعت کیا ہے؟ اور امام حسینؑ سے بیعت کیوں طلب کی گئ؟

۶. س نے ولید کو مشورہ دیا کہ رات کے اندھیرے میں ہی امامؑ سے بیعت لی جائے اور بیعت نہ کرنے کی صورت میں قتل انہیں قتل کر دیا جائے؟ امامؑ نے اسے کیا جواب دیا؟

۷. امامؑ نے اپنا اور پھر یزید کا تعارف کیسے پیش کیا؟

۸. امام حسینؑ ولید کے دربار سے واپسی پر سیدھا کس کے پاس گئے اور اُن سے کیا بات کی؟

۹. امام حسینؑ نے والی مدینہ سے واپس آکر رات کہاں گزاری اور اس دوران خدا سے کیا باتیں کرتے رہے؟

۱۰. امام حسینؑ نے مدینہ کیوں چھوڑا اور پھر کہاں جانے کا فیصلہ کیا؟

۱۱. امام حسینؑ مدینہ سے کب نکلے؟ کتنے دن سفر میں لگے اور مکہ کب پہنچے؟ مکہ میں آپؑ کی مصروفیات کیا تھیں؟

۱۲. امن کا گھر کس جگہ کو کہا جاتا ہے اور کیوں؟

# کعبہ سے کربلا تک

مدینہ کے غیر محفوظ ہو جانے کے بعد امام حسین علیہ السلام اپنے بھائیوں، بھتیجوں، قریبی رشتہ داروں اور بہنوں کے ہمراہ مکہ پہنچ چکے تھے۔ اگرچہ وہ سب اپنے گھروں اور وطن کو چھوڑ کر یہاں پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے مگر پھر بھی اس بات پر مطمئن تھے کہ اب وہ خانہ کعبہ کی چھاؤں میں نماز ادا کریں گے اور چونکہ یہاں جنگ و قتال کرنا منع ہے لہٰذا امام حسین علیہ السلام پر کوئی حملہ بھی نہیں کر سکے گا۔

مکہ کے لوگ بھی خوش تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ ان کے شہر میں آکر آباد ہو گیا ہے۔ اِس دوران صرف اہلِ مکہ ہی نہیں بلکہ ارد گرد کے علاقوں کے لوگ بھی جوق در جوق امامؑ کے گھر پر حاضر ہوتے اور دین کی باتیں اُن سے سیکھتے تھے۔

کوفہ کا شہر اگرچہ مکہ سے بہت دور تھا مگر اُن تک بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ امام حسینؑ مدینہ چھوڑ کر حرمِ کعبہ چلے گئے ہیں۔ وہاں کے کئی قاصد امامؑ کے پاس اہلِ کوفہ کے خطوں سے بھرے ہوئے تھیلے لے کر آئے۔ اُنہوں نے اِن خطوط میں امام حسین علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی اور یزید کے خلاف اُن کا ساتھ دینے اور بھرپور نصرت کرنے کا یقین دلایا تھا۔

اُدھر اِنہی دنوں میں حج کے ایام بھی آ گئے تھے اور پوری دنیا سے لوگ "حج" کرنے کے لیے مکہ میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ مگر ایک دن اچانک خبر آئی کہ کوئی قاتل امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے حاجیوں کے لباس میں مکہ پہنچ چکا ہے۔

یہ خبر سن کر آپؑ کے عزیز و اقارب اور دوست سبھی بہت پریشان ہو گئے کہ مکہ تو امن کا گھر ہے مگر نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہاں بھی سکون سے رہنے کو جگہ میسر نہیں۔ ان حالات میں سبھی جانتے تھے کہ اب امام حسین علیہ السلام کوئی اہم فیصلہ کرنے والے ہیں۔

ہمارا جوان، ہماری امید
کربلا کی باتیں (جوانوں کے لیے)

اگلی صبح امامؑ نے سب لوگوں کو اکٹھا کیا اور انہیں بتایا کہ

میں مکہ چھوڑ کر کوفہ جا رہا ہوں، تم میں سے جو کوئی بھی ہم پر اپنی جان نچھاور کرنا چاہتا ہے اور اللہ سے ملاقات کے لیے تیار ہے تو وہ ہمارے ساتھ چلے۔
میں ان شاء اللہ کل صبح روانہ ہو جاؤں گا۔

پھر اپنے پرائے سب اُن کو کوفہ جانے سے روکنے لگے مگر امامؑ کہتے تھے کہ یہ فیصلہ اب ہو چکا ہے اور خدا بھی یہی چاہتا ہے کہ میں کوفہ روانہ ہو جاؤں۔

میرے عزیز دوست!

جب امن کی جگہ بھی اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے غیر محفوظ ہو گئی تو حج کے عاشق امامؑ نے حج کیے بغیر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ شہر بھی چھوڑ دیا اور اُن کا کارواں کوفہ کی طرف چل پڑا۔

سفر کے دوران موسم سخت گرم تھا اور حالات اُس سے بھی زیادہ تلخ اور سنگین تھے۔ مگر امامؑ کا قافلہ سارے خطرات کے باوجود کوفہ کی طرف رواں دواں تھا۔ وہ ہر گزرتے دن کوفہ کے قریب پہنچتے جا رہے تھے۔

ابھی کوفہ سے تھوڑے فاصلے پر تھے کہ "حر" کے لشکر نے امامؑ کے قافلے کو روک دیا اور وہ کوفہ کے رستے میں رکاوٹ بن گئے۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے قافلے کا رخ ایک اور راستے کی طرف موڑ دیا اور اپنا سفر جاری رکھا۔ دوسری طرف حر اور اس کے سپاہی بھی امامؑ کے قافلے کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے تاکہ امامؑ کو کوفہ جانے سے روکے رکھیں۔

بالآخر یہ قافلہ سخت گرم موسم اور انتہائی مشکل حالات میں چوبیس دن لگاتار سفر کرنے کے بعد جمعرات کے دن **دو محرم** کو کربلا پہنچ گیا۔

میرے عزیز دوست!

اِس سرزمین کے اُس زمانے میں کئی نام تھے۔ جب امام حسین علیہ السلام کا قافلہ یہاں پہنچا تو آپ کی سواری نے اپنے قدم روک لیے، اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ امامؑ اپنی سواری سے اتر کر دوسرے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ مگر اس نے بھی چلنے سے انکار کر دیا۔ جب سات سواریاں تبدیل کیں اور کوئی سواری بھی آگے بڑھنے کے لیے تیار نہ ہوئی تو امامؑ نے قافلے والوں سے پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے؟

کسی نے کہا کہ مولا اسے "طف" کہتے ہے۔

آپؑ نے پوچھا: "کیا اس جگہ کا کوئی دوسرا نام بھی ہے؟"

وہ بولے فرزند رسولؐ اس کو "غاضریہ" بھی کہتے ہیں۔

آپؑ نے پوچھا کہ کوئی اور نام؟

کسی نے جواب دیا کہ مولا اِس جگہ کو "نینوا" بھی کہتے ہیں۔

امامؑ نے دریافت کیا کہ کیا اس کے علاوہ بھی اس جگہ کا کوئی نام ہے؟

کوئی بولا کہ ہاں فرزندِ فاطمہؑ اس جگہ کا ایک نام "کربلا" ہے۔

کربلا کا نام سنتے ہی آپ علیہ السلام نے ایک لمبا سانس لیا، گھوڑے سے اتر آئے اور کربلا کی خاک سے ایک مٹھی اٹھا کر اس کو سونگھا، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہنے لگے:

پروردگارا! میں ہر غم و رنج سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

یہ سن کر قافلے والے اپنی سواریوں سے اتر آئے اور سرزمین کرب و بلا پر امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے خیمے لگ گئے۔

میرے عزیز دوست!

سرزمینِ کربلا کو حسینی خیموں نے آباد کر دیا تھا۔ اس سے پہلے یہ جگہ ایک بیابان اور لق و دق صحرا تھا، جہاں دور دور تک آبادی کا کوئی نشان نہ تھا، ہاں البتہ دریائے فرات یہیں سے گزر رہا تھا اور اس کا بہتا ہوا پانی حسینی خیموں سے صاف نظر آ رہا تھا۔

جب کربلا میں دو محرم کو امام حسینؑ کا قافلہ اترا تو اس کے بعد، روز بروز یزیدی فوج میں اضافہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ سات محرم کو دریائے فرات پر پہرہ لگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والوں نے حسینی خیام اور لشکرِ حسینؑ کا پانی بھی بند کر دیا۔

سخت گرمیاں، صحرائی حالات اور پانی کی بندش۔۔۔! گویا کہ امامؑ کے لشکر اور حسینی خیموں میں اِک قیامت برپا ہو گئی تھی۔ کیونکہ ان خیموں میں اولادِ رسولؐ اور نبی کی نواسیاں پیاس سے جان بلب تھے۔

میرے ننھے عزادار دوست !

کبھی تم نے گرمیوں کا روزہ تو رکھا ہوگا، اور دیکھا ہوگا کہ افطار کے وقت پیاس کے سبب حلق کا کیا عالم ہوتا ہے اور انسان کس قدر نڈھال اور کمزور ہو جاتا ہے۔ مگر کربلا میں صرف پیاس کا سامنا کب تھا بلکہ ہر طرف فوجِ یزید تھی جس نے امامؑ کے چھوٹے سے لشکر کو گھیر لیا تھا، اور پھر طعنے طنز اور دھمکیاں مل رہی تھیں۔

انہوں نے نو محرم عصر کے وقت ہی امامؑ پر حملہ کرنے کے لیے پیش قدمی کر لی تھی۔ مگر امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو مذاکرات کے لیے بھیجا اور ایک رات کی مہلت مانگ لی تاکہ اپنے خدا سے راز و نیاز کر سکیں۔

میرے عزیز دوست !

سرزمینِ کربلا میں آج اس قافلے کا آٹھواں دن بھی گزر چکا تھا، رات بہت تاریک اور ہیبت ناک تھی۔ مگر یقین جانو بعض واقعات سے یوں لگتا ہے کہ وہ رات اس قافلے کی سب سے بہترین رات تھی۔

خیامِ حسینی سے تلاوتِ قرآن اور دعا و مناجات کا زمزمہ یوں بلند ہو رہا تھا جیسے شہد کی مکھیوں کا ان کے چھتے کے پاس شور ہوتا ہے۔ امامِ وقتؑ کے ہمراہ ہر شخص کو اپنی کامیابی سامنے نظر آ رہی تھی۔ وہ یہ سوچ کر پر عزم تھے کہ بس آج کی رات ہے اور پھر جب صبح ہوگی تو ایسا معرکہ سرانجام دیں گے کہ لوگ قیامت تک نہ بھلا سکیں گے۔ اور رہتی دنیا تک جب بھی کسی کو عزم و استقلال کی مثال دینا ہوگی تو لوگ سرزمین کربلا میں آزادی کے لیے

لڑنے والے حسینؑ کے پیاسے لشکر کی مثال دیں گے۔

اس قافلے کے اکثر افراد کی زندگی کی یہ آخری رات تھی۔اس رات امام حسین علیہ السلام نے تمام اصحاب کو ایک خیمے میں اکٹھا کیا اور انہیں بتایا کہ یزیدی فوج کی دشمنی صرف "حسینؑ" سے ہے اور وہ انہی کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں۔انھوں نے اپنے اصحاب سے بیعت اٹھاتے ہوئے انہیں کہا کہ جو کوئی جانا چاہتا ہے، میری طرف سے اجازت ہے اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔

پھر خیمے میں روشن چراغ بھی بجھا دیا تاکہ کسی کو اٹھتے وقت شرمندگی نہ ہو۔ مگر سرزمینِ کربلا سے کوئی واپس جانے کے لیے آمادہ نہ ہوا۔

جب کوئی بھی اُٹھ کر نہ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے نے سب اصحاب کو بتایا کہ کل ہماری زندگی کا آخری دن ہے اور کل لشکرِ یزید ہم پر حملہ کردے گا اور ہمیں شہید کردے گا۔امامؑ نے ایک ایک شہید کو اس کا مقام شہادت بھی دکھایا کہ تم کل کس جگہ شہید کیے جاؤ گے۔پھر کچھ دیر کے لیے خیمے میں خاموشی چھا گئی۔

## درسِ کربلا

- اپنی جان و مال اور ایمان و آبرو کے تحفظ کے لیے اپنا گھر چھوڑ کو جائے امن تلاش کرنا بزدلی نہیں بلکہ ہجرت کہلاتا ہے، جو انبیاء و آئمہ علیہم السلام کی پیروی ہے۔
- عاشقِ کعبہ و عاشقِ حج کے لیے موسمِ حج میں کعبہ چھوڑ دینا بہت دشوار تھا مگر عشاق، سرزمینِ عشق پر اپنے معشوق کو خوش اور راضی کرنے کے لیے اپنی مرضی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ لہذا فرزندِ رسولؐ نے خوشنودی پروردگار کی خاطر مکہ چھوڑ دیا تھا۔
- سرزمینِ کرب وبلا (یعنی مقصد کی خاطر آنے والی مشکلات) اور مرحلہ امتحان و آزمائش سے گزر کر ہی حسینی یا کربلائی بنا جا سکتا ہے۔
- رسول اللہ کا شہر محفوظ نہ رہا تو مدینہ چھوڑنا، قاتل آجانے کے بعد مکہ و حج کو چھوڑ دینا، حر کے آنے کے بعد کوفہ کا رستہ چھوڑ دینا، کربلا میں لشکروں پر لشکر جمع ہو گئے مگر امامؑ کا بیعت کے لیے آمادہ نہ ہونا، دشمن کا سات محرم سے بچوں اور خواتین کے لیے پانی تک بند کر دینا۔،،، کچھ بھی امامؑ کو مقصد سے نہ ہٹا سکا، مومن کو انہی کا پیروکار ہونا چاہیے اور حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے۔
- چراغِ ایمان روشن ہو تو اپنے وقت کے امام کو کوئی نہیں چھوڑتا۔

السلام علی الحسین
و علی علی بن الحسین
و علی اولاد الحسین
و علی اصحاب الحسین

# مشق

۱. امام حسینؑ نے مکہ چھوڑنے کا فیصلہ کیوں کیا؟ حالانکہ آپ تو یہاں رہنے کے لیے مدینہ چھوڑ کر آئے تھے؟

۲. امام حسینؑ نے مکہ چھوڑتے ہوئے کن لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے کا کہا؟

۳. امام حسینؑ مکہ چھوڑ کر کوفہ کی طرف عازمِ سفر ہوئے، پھر آپؑ کربلا کیوں کر پہنچ گئے؟

۴. کس جگہ پہنچ کر امام حسینؑ کی سواری رک گئی، پھر امامؑ نے کیسے سفر جاری رکھا؟

۵. جہاں امامؑ کی سواری رکی تھی، اُس جگہ کا کیا نام امامؑ کو بتایا گیا؟

۶. کربلا کا نام سن کر امام حسینؑ نے کیا فرمایا؟

۷. امام حسینؑ کربلا کب پہنچے اور آپؑ کا پانی کب بند کیا گیا؟

# حج کا مسافر

حج ختم ہو چکا تھا اور حاجیوں کے قافلے اپنے آبائی علاقوں کو واپس پلٹ رہے تھے۔ سرزمینِ عراق کی طرف واپس جانے والے قافلوں کے بیچوں بیچ ایک قافلہ ایسا بھی تھا جس نے نہ توجہ کیا تھا اور نہ ہی وہ اپنے آبائی علاقے کو جا رہا تھا۔

یہ فرزندِ رسول امام حسین علیہ السلام کا قافلہ تھا۔ امامؑ نے حج کیے بغیر، عین اس وقت مکہ چھوڑ دیا تھا جب لوگ حج کے لیے احرام باندھ رہے تھے۔ کیونکہ حاجیوں کے روپ میں قاتل آجانے کے بعد، آپؑ کا مکہ میں رہنا اور حج مکمل کرنا آپؑ کی زندگی کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی حرمت کے لیے بھی خطرے کا باعث تھا۔

اس قافلے میں چونکہ عورتیں اور بچے بھی شامل تھے اس لیے اس کی رفتار قدرے آہستہ تھی۔ دوسری طرف حج مکمل کرکے عراق واپس جانے والے قافلے بھی اب تقریباً ان کے برابر آگئے تھے۔

امام علیہ السلام کے قریب قریب چلنے والے قافلوں میں سے ایک قافلہ ایسا تھا جس کا سردار حج کے لیے جاتے ہوئے محبِّ اہلِ بیتؑ نہ تھا، مگر واپسی پر رستے میں اُس کے ساتھ ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس سے وہ مکتبِ اہلِ بیتؑ کا پیروکار اور حسینی بن گیا۔ یہ "زہیر ابن قین" کا قافلہ تھا۔ زہیر کوفہ کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار کوفہ کے شریف اور بہادر افراد میں ہوتا تھا۔ وہ مایہ ناز جنگجو اور ماہر تلوار باز تھے۔

حج کی ادائیگی کے بعد جب وہ اپنے آبائی شہر کوفہ کی طرف واپس روانہ ہوئے تو انہیں خبر ملی کہ امام حسین علیہ السلام بھی کوفہ جا رہے ہیں اور ان کا قافلہ بھی کوفہ کے راستے پر موجود ہے۔ زہیر چونکہ نظریاتی طور پر مکتبِ اہل بیتؑ کے مخالف تھے اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے قافلے کو امامؑ کے قافلے سے دور رکھیں گے، تاکہ انہیں امامؑ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

یہی وجہ تھی کہ جب امام علیہ السلام سفر کرتے تو زہیر اِس دوران اپنا قافلہ روک کر آرام کر لیتے اور جب امام علیہ السلام کا قافلہ کہیں رکتا تو زہیر اپنا سفر جاری رکھتے۔

مگر "زَرُوُد" نامی جگہ پر، پانی کے ایک چشمے نے دونوں قافلوں کو اکٹھا اترنے پر مجبور کر دیا۔اس مقام پر دونوں قافلے ایک ساتھ رُکے اور زہیر بن قین کا خیمہ امام حسین علیہ السلام کے خیمے کے قریب نصب ہوا۔

اگرچہ وہ امامؑ سے کنارہ کشی کر رہے تھے مگر امام حسین علیہ السلام کی نظرِ انتخاب نے اُنہیں، اُن کے اعلی اوصاف کی وجہ سے، اپنے لیے چُن رکھا تھا، اور بس کسی مناسب وقت کا انتظار تھا کہ انہیں قافلہ حسینی میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے۔یہی وہ مقام تھا جہاں امام حسین علیہ السلام نے انہیں اپنے قاصد کے ذریعے ملاقات کے لیے بلایا۔

جب قاصد پہنچا اُس وقت زہیر دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ قاصد نے اُنہیں بتایا کہ امام حسین علیہ السلام تم سے ملنا چاہتے ہیں اور تمہیں ملاقات کے لیے اپنے خیمے میں بلایا ہے۔

زرود

زرود مکہ اور کوفہ کے راستے کے درمیان ایک منزل کا نام ہے۔ پرانے زمانے میں عراق کے جو لوگ حج کے لئے مکہ جاتے تھے اُن کے قیام کیلئے یہ ایک مناسب جگہ تھی اس لیے اکثر قافلے یہاں رکا کرتے تھے۔

اسی جگہ امام حسین علیہ السلام نے بھی مکہ سے کوفہ جاتے ہوئے پڑاؤ ڈالا تھا اور زہیر سے ملاقات ہوئی تھی

کیا آپ جانتے ہیں؟

زہیر ابن قین نے امامؑ کی دعوت کو مسترد کرتے ہوئے ملاقات کے لیے اُن کے خیمے میں جانے سے انکار کر دیا۔ مگر اُن کی زوجہ دَیلم بنت عمرو، جو اس سفر میں ان کے ساتھ تھیں، اُٹھ کھڑی ہوئیں اور زہیر سے کہنے لگیں کہ

"یہ کیا عجیب بات ہے اور کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ رسولؐ کا بیٹا تمہارے پاس ملاقات کے لیے پیغام بھیجے اور تم مسترد کر دو۔ آخر وہاں جانے میں اور اُن کی بات سننے میں حرج کیا ہے؟ زہیر! تم جاؤ اور امام حسین علیہ السلام کی بات سنو اور پھر بھلے واپس آجاؤ۔"

زہیر ابن قین اگرچہ جانا نہیں چاہتے تھے مگر انہیں اپنی شریکۂ حیات کا مشورہ مناسب لگا اور وہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

کچھ دیر امامؑ کے خیمے میں باتیں ہوتی رہیں، پھر ملاقات ختم ہو گئی اور زہیر اپنے قافلے میں واپس آگئے۔ مگر واپسی پر اُن کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ آتے ہی اُنہوں نے اپنے قافلے والوں کو حکم دیا کہ میرا خیمہ یہاں سے اُکھاڑ کر امام حسین علیہ السلام کے پڑاؤ میں اُن کے خیمے کے ساتھ نصب کیا جائے۔

سب قافلے والے حیران تھے کہ کچھ دیر پہلے تو زہیر ملاقات کے لیے نہیں جانا چاہ رہے تھے اور اب اپنا قافلہ اور سرداری سب کچھ چھوڑ کر امامؑ کے پڑاؤ میں منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

زہیر نے اُن کو حیرت زدہ دیکھا تو اُنہیں بتایا کہ

> میں نے امام حسینؑ کا ساتھ دینے اور ضرورت پڑنے کی صورت میں اُن پر اپنی جان قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، میں اب اُن کے قافلے میں شامل ہونے جارہا ہوں، تم میں سے جو کوئی اِس مہم میں میرے ساتھ شریک ہونا چاہے تو بسم اللہ، ورنہ یہ میری اور آپ کی آخری ملاقات ہے۔

پھر اپنی نیک سیرت زوجہ کو اُن کے بھائی کے ساتھ اُن کے میکے کوفہ بھجوا دیا اور کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمھیں کوئی تکلیف پہنچے۔ اُن کی زوجہ نے روتے ہوئے انہیں الوداع کیا اور اُن سے بس ایک درخواست کی کہ

"قیامت کے دن میدانِ محشر میں مجھے حسینؑ کے نانا کی بارگاہ میں نہ بھولنا!"

یہ سب باتیں کرکے زہیر نے اپنے قبیلے والوں کو الوداع کیا اور لشکرِ حسینؑ سے جا ملے اور پھر سپاہِ حسینؑ کے اہم ترین افراد میں شمار ہونے لگے۔

ہر اہم موقع پر امام حسین علیہ السلام انہیں کوئی نہ کوئی ذمہ داری ضرور سونپتے تھے۔جب امام حسینؑ نے لشکرِ یزید سے شبِ عاشور کی مہلت لینے کے لیے اپنے بھائی حضرت عباس علیہ السلام کو بیس افراد کے ساتھ مذاکرات کے لیے بھیجا تو زہیر ابن قین کو بھی اُن کے ساتھ روانہ فرمایا۔

روزِ عاشور امام حسین علیہ السلام نے انہیں اپنی فوج کے دائیں حصے کا کمانڈر مقرر کیا۔

دس محرم کے دن زہیر نے امام حسین علیہ السلام سے اجازت لے کر لشکرِ یزید کے سامنے ایک خطبہ دیا جس پر امام حسین علیہ السلام اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا:

"زہیر ! واپس آجاؤ۔اگر مومنِ آلِ فرعون نے اپنی قوم کو دعوت و نصیحت کرنے کا حق ادا کر دیا تھا تو تم نے بھی نصیحت کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔"

## مؤمن آلِ فرعون

مؤمن آل فرعون، فرعون کے چچا زاد بھائی اور خزانہ دار تھے اور فرعون سے اپنا ایمان چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

انہوں نے حضرت موسیٰ کی حفاظت کی خاطر اپنا ایمان ظاہر و آشکار کیا اور خدا پر ایمان لانے کے جرم میں فرعون کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

زہیر ابن قین دس محرم کو نمازِ ظہر کے بعد میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔جنگ کرتے ہوئے جب وہ زخمی ہو کر کربلا کی زمین پر گرے تو امام حسین علیہ السلام اُن کے سرہانے تشریف لائے اور فرمایا:

"اے زہیر! خدا تمہیں اپنی رحمت سے دور نہ رکھے اور تمہارے قاتلوں پر لعنت کرے، ایسی لعنت جو جب گذشتہ قوموں پر کی گئی تو وہ بندر اور سؤر کی شکل میں مسخ ہو گئے۔"

یوں حج کے اس مسافر نے حج کے عاشق امامؑ کی گود میں آخری سانسیں لیں اور اُن کی روح پرواز کر گئی۔

# درسِ کربلا

- تحریکِ کربلا اپنے آغاز سے ہی غیروں کو اپنی طرف متوجہ کرتی آئی ہے، اور صلاحیت رکھنے والے افراد کو اپنا لیتی ہے۔ ضروری ہے کہ ہم بھی امام حسین علیہ السلام کی طرح غیروں کو اس تحریک کی طرف دعوت دیں اور انہیں خود سے دور کرنے کی بجائے اپنے قریب کریں۔
- عزمِ صمیم کے ساتھ ماضی کی غلطیوں کا ازالہ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اہم یہ نہیں ہے کہ کوئی کیا تھا بلکہ مہم یہ بات ہے کہ وہ اب کیا ہے۔ زہیر مخالفِ اہل بیتؑ تھے مگر اب شہیدِ کربلا ہیں۔
- امام حسینؑ کے "سفینۃ النجاۃ" ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی زہیر کی طرح اپنا رستہ چھوڑ کر اُن کی کشتی پر سوار ہو تو یقیناً نجات پا جائے گا۔
- ایک اچھی صحبت، اچھا ساتھی، اچھا مشیر اور اچھی شریکہ حیات انسان کی زندگی کو بدل سکتا ہے اور اسے کربلائی بنا سکتا ہے۔

# مشق

۱. وہ کون سا حاجی تھا جو حج سے واپسی پر فرزندِ رسول ﷺ کے قافلے میں شامل ہوا، اور کربلا میں شہید ہوا؟

۲. زہیر ابن قین اپنا قافلہ امام حسینؑ کے قافلے سے کیوں دور رکھتے تھے؟ اور ایک منزل پر انہیں کیوں امام کے قافلے کے قریب اپنے قافلے کو ٹھہرانا پڑا؟

۳. زہیر کے پاس قاصد امامؑ کا کیا پیغام لے کر آیا؟ اور زہیر کا اُس پیغام پر ردّ عمل کیا تھا؟

۴. زہیر کو امام حسینؑ کے ساتھ ملاقات پر کس نے آمادہ کیا؟

۵. زہیر امامؑ سے ملاقات کے بعد کس حالت میں واپس آئے اور اپنے قافلے والوں کو کیا حکم دیا؟

۶. زہیر کی زوجہ کا نام کیا تھا؟ اور انہوں نے زہیر سے جدائی کے وقت اُن سے کیا درخواست کی؟

۷. دس محرم کو زہیر کا خطبہ سن کر امام حسینؑ نے انہیں کن الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا؟

۸. زہیر کی شہادت کے وقت امام حسینؑ نے اُن کا سر اپنی جھولی میں رکھ کر انہیں کیا دعا دی؟

# جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا شخص

حسینی قافلہ کوفہ کی طرف رواں دواں تھا، اس قافلے میں عورتیں، بچے، بوڑھے اور جوان سبھی شامل تھے۔ اُن کے کھانے پینے کا سامان بھی اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ یہ قافلہ مختلف جگہوں پر قیام کرتا ہر گزرتے دن کوفہ کے قریب ہوتا جارہا تھا۔ آج اس قافلے کا قیام "شراف" نامی جگہ پر تھا۔ یہاں پہنچ کر امام حسین علیہ السلام نے جوانوں کو حکم دیا کہ صبح ہونے سے پہلے ضرورت سے زیادہ پانی مشکوں میں جمع کر لیں۔ امام علیہ السلام کے حکم کے مطابق نوجوان اپنے قافلے کی ضرورت سے اضافی پانی مشکوں میں بھر کر خیموں میں لے آئے۔

جب صبح ہوئی تو سورج طلوع ہوتے ہی ہر طرف آگ برسانے لگا، دن ڈھلتا جارہا تھا اور قیامت خیز گرمی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جارہی تھی۔ ظہر سے تھوڑا پہلے امام حسین علیہ السلام کے قافلے نے دُور اُفق پر ایک گردوغبار اُٹھتا ہوا دیکھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی قافلہ امام حسین علیہ السلام کے پڑاؤ کی جانب آرہا ہو۔ سب نظریں اُس طرف لگی ہوئی تھیں۔ جب غبار چھٹا تو معلوم ہوا کہ یہ حر بن یزید ریاحی کا لشکر ہے اور حر امام حسین علیہ السلام کا راستہ روکنے کے لیے اپنے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ یہاں پہنچا ہے تاکہ آپؑ کو ہر صورت کوفہ جانے سے روکے۔ حر کے سپاہی چونکہ سخت گرمی میں سفر کر کے آئے تھے اور جنگی لباس اور اسلحہ سے لدے ہوئے تھے، اس لیے وہ تھکن سے چور اور پیاس سے نڈھال ہو چکے تھے۔

امام حسین علیہ السلام نے حر اور اُس کے تھکے ہوئے لشکر کی حالت کو دیکھا تو اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ پیاسے سپاہیوں اور اُن کے گھوڑوں کو ٹھنڈے پانی سے سیراب کریں، اور سخت گرمی میں چل کر آئی ہوئی سواریوں پر پانی کا چھڑکاؤ بھی کریں۔

سارے اصحاب امامؑ کے حکم کی تعمیل میں مصروف ہوگئے۔اُن میں سے کچھ حر کے پیاسے لشکر کو پانی پلانے لگ پڑے، اور کچھ دوسرے سواریوں کے آگے پانی کے برتن رکھ رہے تھے جب کہ باقی ان سواریوں پر پانی چھڑک رہے تھے۔المختصر سب ان کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔

حر کے سپاہیوں میں سے ایک شخص جس کا نام "علی ابن طُعان" تھا، شدید پیاس اور تھکاوٹ کی وجہ سے اپنے لشکر سے پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ تب پہنچا جب باقی لشکر پانی پینے میں مصروف تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو مصروف دیکھا تو خود مشک اٹھائی اور آگے بڑھ کر اس سے کہا کہ اپنی سواری سے نیچے اتر آؤ۔

علی بن طعان کہتا ہے کہ:

جس شخص نے مجھے اپنی سواری سے نیچے اترنے کا کہا میں اس باوقار، حسین اور نورانی شخص کو نہیں جانتا تھا، لیکن پھر بھی میں نے اپنی سواری کو بٹھایا اور نیچے اتر آیا۔ اُس شخص نے پانی کی مشک کا منہ کھولا اور مشک کو مجھ پر جھکا دیا، میں بہت پیاسا تھا اس لیے پانی پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن پیاس کی شدت اس قدر زیادہ تھی کہ میں پانی صحیح طرح پی نہیں پا رہا تھا اور جلدی پانی پینے کی کوشش میں پانی میرے منہ میں جانے کی بجائے، میرے سر اور چہرے کے دائیں بائیں بہنے لگا۔ وہ باوقار شخص میری حالت سمجھ گیا، اُس نے اپنے ایک ہاتھ سے مشکیزہ اٹھاتے ہوئے، دوسرے ہاتھ سے مشک کا منہ میرے ہونٹوں پر رکھ دیا تاکہ مجھے پانی پینے میں آسانی ہو۔ یوں میں نے بغیر کسی زحمت کے جی بھر کر پانی پیا

اور اپنی پیاس بجھائی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ پانی پلانے والا باوقار شخص کوئی اور نہیں بلکہ فرزندِ زہراء حسین ابن علی علیہم السلام تھے۔

میرے عزیز دوستو!

اس تھکے ہوئے لشکر میں کچھ جان آئی تو حر نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا، مگر چونکہ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا اس لیے امامؑ نے حر کو فی الفور کوئی جواب نہ دیا بلکہ مؤذن کو نماز کے لیے اذان دینے کا کہا۔ امام حسین علیہ السلام کے مؤذن حجاج ابن مسروق نے اذان دی تو امامؑ نے حر سے پوچھا کہ "کیا تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو گے یا علیحدہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ ؟"

حر نے جواب دیا کہ "میں اور میرے سپاہی آپ کے پیچھے نماز ادا کریں گے"۔

امام حسین علیہ السلام نے نماز کی امامت کی، جبکہ امامؑ کے اصحاب اور حر کے سپاہی سب امامؑ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور سب نے مل کر آپؑ کی اقتداء میں نماز ظہر ادا کی۔

نماز ظہر کے بعد امام حسینؑ نے ایک خطبہ دیا، جس میں آپؑ نے حر کے لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا:

> اے لوگو! میں خود سے تمہاری طرف (یعنی کوفہ کی طرف) نہیں آیا، بلکہ تم لوگوں نے خط لکھ کر مجھے کوفہ بلایا ہے۔ اگر تم اپنے خطوں میں دی گئی کوفہ آنے کی دعوت پر باقی ہو تو اپنا وعدہ پورا کرو۔ لیکن اگر تم میرے آنے سے خوش نہیں تو میں وہیں واپس چلا جاتا ہوں جہاں سے تمہاری خاطر آیا ہوں۔

امامؑ کی اس گفتگو پر حر اور اُن کے سپاہیوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو دونوں لشکروں نے نمازِ عصر بھی امامؑ کی اقتداء میں ادا کی۔ نماز عصر کے بعد ایک بار پھر امام علیہ السلام نے حر اور ان کے سپاہیوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ "ولایت و راہبری اہلِ بیتؑ کا حق ہے، اگر تم ہم سے منہ موڑ چکے ہو اور اپنے خطوں میں لکھی گئی بات پر قائم نہیں ہو تو میں یہیں سے واپس چلا جاتا ہوں۔"

اب حر نے خاموشی توڑ دی اور بولے کہ ہمیں ایسے خطوط کا کوئی علم نہیں جو کوفہ والوں نے آپ کی طرف لکھے تھے۔

امام علیہ السلام نے "عُقبہ ابن سمعان" کو حکم دیا کہ "اہلِ کوفہ کے خطوں سے بھرے ہوئے تھیلے میرے پاس اٹھا لاؤ تا کہ میں حر کو دکھاؤں"۔ حر نے جب خطوط دیکھے تو بولے کہ میں اِن خط لکھنے والوں میں شامل نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے اِن خطوط کا کوئی علم تھا۔

مذاکرات میں امام حسین علیہ السلام نے حر کو واضح الفاظ میں بتایا کہ وہ خود سے کوفہ نہیں آرہے بلکہ اہلِ کوفہ کے بلانے پر اس سفر کو اختیار کیا ہے۔ امامؑ کا موقف سننے کے بعد حر نے بھی اپنے مقصد کو واضح طور پر بیان کیا کہ اسے ابن زیاد نے بھیجا ہے تا کہ وہ امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو کسی صورت کوفہ نہ پہنچنے دیں۔

میرے عزادار دوست!

امامؑ ہر صورت کوفہ جانا چاہتے تھے جب کہ حر کسی بھی قیمت پر امام حسین علیہ السلام کو روکنے پر بضد تھا۔ اگرچہ فریقین کے درمیان دو مرتبہ مذاکرات ہوئے مگر ہر کوئی اپنے ارادے اور مقصد پر سختی سے قائم تھا اِس لیے یہ مذاکرات ناکام ہو گئے۔

مذاکرات کی ناکامی کے بعد امامؑ نے اپنے قافلے کو کوچ کے لیے تیار ہونے اور سوار ہو جانے کا حکم دیا، جب سب لوگ اپنی سواریوں پر بیٹھ گئے تو آپؑ نے فرمایا:

انصرفوا یعنی حر کے لشکر کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنا سفر شروع کر دو۔

مگر حر کا لشکر مقابل آگیا اور امامؑ کے لشکر کے سامنے رکاوٹ بن گیا۔ اس موقع پر آپؑ نے حر سے سختی سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

یاحر ثکلتک امک، ما ترید؟ یعنی اے حر تمہاری ماں تیری موت کے غم میں روئے، آخر کیا چاہتے ہو؟

حر کچھ کہتے کہتے چپ ہو گیا اور کافی سوچ و بچار کے بعد یوں بولا کہ :

اے حسینؑ! اگر آپ کے علاوہ کوئی اور مجھے یہ الفاظ کہتا، اور وہ میرے لشکر کے سامنے یوں بے بس ہوتا جیسے آپ ہیں تو میں اس کی ماں کو اس کی موت کے غم میں رُلا دیتا، لیکن آپؑ کی ماں فاطمہ زہراء علیہا السلام ہیں اور میں ان کی عزت و تعظیم کا حق ادا کرنے کی سکت بھی نہیں رکھتا (اس لیے تعظیمِ فاطمہؑ میں چُپ ہوں)۔

اس ساری گفتگو اور کوچ کرنے کے حکم سے حر کو اندازہ ہو گیا تھا کہ امامؑ اپنے فیصلے میں اٹل ہیں اور کسی صورت کوفہ جانے کا ارادہ ترک نہیں کریں گے۔ حر نے بھی اپنی حکمت عملی تشکیل دی اور امامؑ سے کہنے لگا کہ :

اگر آپ نے اپنا سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو بہتر ہے کہ کسی ایسے رستے کا انتخاب کر لیں جو نہ کوفہ جاتا ہو اور نہ مدینہ۔۔۔ تاکہ شاید کوئی درمیانہ حل نکل آئے اور خدا مجھے آپؑ سے جنگ کرنے سے بچا لے۔

حُر کی اس تجویز کے بعد امامؑ نے کوفہ کے رستے کو چھوڑ دیا اور ایک ایسے رستے پر سفر شروع کیا جو کوفہ کی طرف نہ جاتا تھا۔ یوں دونوں لشکر ایک دوسرے کے متوازی اور ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ جہاں کہیں پانی ملتا اور آرام کی جگہ موجود ہوتی وہاں دونوں قافلے ایک ساتھ پڑاؤ کر لیتے اور آرام کرنے کے بعد دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیتے۔

بالآخر دو محرم کو دونوں لشکر کربلا کی سرزمین پر پہنچ گئے۔ جہاں حر کو ابن زیاد کا ایک خط ملا، جس میں لکھا تھا کہ

"تمہیں جہاں کہیں بھی میرا یہ خط ملے، تم وہیں حسینؑ کے لشکر کو روک لو اور انہیں ہرگز کوئی مہلت نہ دو، انہیں سنسان اور غیر آباد جنگل میں اترنے پر مجبور کرو۔"

اُدھر امام حسین علیہ السلام کو بھی جب معلوم ہوا کہ یہ سرزمینِ کربلا ہے تو دونوں لشکر کربلا میں خیمہ زن ہو گئے، جہاں بعد میں یزید کے دیگر کمانڈر اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ پہنچنا شروع ہو گئے جن کی تعداد نو محرم تک کم و بیش تیس ہزار افراد تک پہنچ گئی۔

حر نے جب ابن زیاد کی فوجوں کو جمع ہوتے دیکھا اور قتلِ امام حسینؑ کے بارے میں ابن زیاد کی طرف سے آنے والے حکم معلوم ہوئے تو وہ دل ہی دل میں پریشان ہوگیا۔ کیونکہ اسے اِس بات کا گمان بھی نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت اُن کے نواسے کے قتل تک پہنچ جائے گی۔

دس محرم کی پوری رات وہ بے چین رہا اور دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوستا رہا کہ امام حسین علیہ السلام کو اِس مقام تک پہنچانے کا ذمہ دار میں ہوں۔ میں نے ہی ان کا راستہ روکا اور انہیں گھیر کر کربلا لے کر آیا اور انہیں دریائے فرات کے کنارے خیمے نہ لگانے دیے اور اب حالت یہ ہے کہ ابن زیاد کی فوجوں نے چاروں طرف سے ان کو گھیر رکھا ہے، اُن کا پانی بند کر دیا گیا ہے اور خیام میں بچے پیاس سے جاں بلب ہیں۔

اُس کی پریشانی کو امام حسین علیہ السلام اور اُن کے اصحاب کے خطبوں نے بڑھا دیا تھا، جو انہوں نے لشکرِ یزید کے سامنے دیے تھے۔ حر دیکھ رہا تھا کہ امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب اُمت کو اِس گناہ سے باز رکھنے کی کوششیں کر رہے تھے مگر اُن کی کوشش کا جواب گالیوں، پتھروں اور تیروں سے دیا جا رہا تھا۔

اس لیے حر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک پڑا۔ وہ سیدھا عمر ابن سعد کے پاس گیا اور اس سے پوچھا:

"کیا تم واقعی حسینؑ سے جنگ کروگے؟ اور انہیں قتل کر دوگے؟"

عمر بن سعد نے جواب دیا:

"ہاں! اگر انہوں نے بیعت نہ کی تو ابن زیاد کا حکم ہے کہ انہیں یہیں قتل کر دیا جائے۔"

یہ جواب سن کر حر شکستہ دل کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچا، اور دل ہی دل میں لشکرِ یزید کے اِس کام سے خود کو الگ کرنے کا سوچنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ بھی قتلِ حسینؑ میں شریک ہوا تو قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت زہراء علیہا السلام کا سامنا کس طرح کرے گا، اور پھر اُس جنت کی تمنا کیسے کرے گا جس کے سردار حسن و حسین علیہما السلام ہیں۔

حر پر امام حسین علیہ السلام کی سچائی ثابت ہو چکی تھی۔ وہ اپنے نام کی طرح ایک آزاد، خود مختار اور بہادر انسان تھا، جو حق اور سچ کے ساتھ کھڑا ہونے

کے لیے کسی سے نہ ڈرتا تھا۔ اس لیے اُس نے اپنا گھوڑا آہستہ آہستہ خیامِ حسینی کی طرف بڑھانا شروع کیا۔
وہ چاہتا تھا کہ خود کو نہ صرف لشکرِ یزید سے علیحدہ کرے بلکہ لشکرِ حسینؑ میں شامل ہو کر "نعرہ حق" بلند کرے اور اپنی جان فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کر کے اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرے۔ اسی لیے اُس نے اپنا یہ ارادہ کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ اگر اُس کے ارادے لشکرِ یزید کو پتا چل گئے تو وہ اسے گرفتار کر لیں گے اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔
جب اُس نے اپنا گھوڑا لشکرِ حسینؑ کی طرف بڑھایا تو حر کی یہ حالت دیکھ کر اُس کے ایک سپاہی "مہاجر ابن اوس" نے اس سے پوچھا:

"حر کیا ارادہ ہے؟ گھوڑے پر سوار ہو کر لشکرِ حسینؑ کی طرف کیوں بڑھ رہے ہو؟ کیا ان پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟"

حر نے اس کو کوئی جواب نہ دیا، لیکن یہ سوچ کر اُس کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی کہ لشکر کے سپاہی اس کے عزائم سے باخبر ہونے لگے ہیں۔ مہاجر نے حر کی یہ حالت دیکھی تو کہنے لگا کہ:

"حر تیری حالت مشکوک ہے۔ میں نے تمہیں اس سے پہلے کبھی اس حالت میں نہیں دیکھا، بلکہ اگر کوئی مجھ سے پوچھتا کہ کوفہ کا سب سے بہادر شخص کون ہے تو میں تمہارا نام لیتا۔ مگر اس وقت میں تمہاری یہ کیا حالت دیکھ رہا ہوں؟"

اس سوال پر حر پھٹ پڑے اور واشگاف الفاظ میں جواب دیا:

"خدا کی قسم! میں اس وقت خود کو جنت و جہنم کے درمیان کھڑا محسوس کرتا ہوں (کہ میری ایک طرف جنت یعنی لشکرِ حسینؑ ہے اور دوسری طرف جہنم یعنی لشکرِ یزید ہے)۔ بخدا! میں جنت پر کسی چیز کو فوقیت نہیں دوں گا چاہے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں اور مجھے جلا دیا جائے۔"

بس پھر کیا تھا حر نے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور چند لمحوں میں بارگاہِ حسینی میں پہنچ گیا۔ وہ بہت شرمندہ تھا اور پشیمان بھی۔

اپنا سر شرم سے جھکائے ہوئے تھا کہ آخر کس طرح اپنے جرم کا ازالہ کرے گا۔ اُس نے امام علیہ السلام کی بارگاہ میں سر جھکا کر یہی سوال کیا کہ "میں اللہ کے حضور توبہ کرتا ہوں کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟"

امام حسین علیہ السلام نے اس کا جھکا ہوا سر دیکھا تو فرمایا: "اپنا سر اٹھاؤ اور گھوڑے سے نیچے اتر آؤ۔ بے شک اللہ نے تمہاری توبہ قبول کی ہے۔"

یوں حسینؑ کا رستہ روکنے والے حرنے، دس محرم کو حسینؑ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے شہادت کی منزل پالی۔

میرے عزیز دوست!

قیامت کا سورج طلوع ہونے تک حر ان لوگوں کے لیے امید کی کرن بن کر چمکتا رہے گا جو غلطی یا گناہ کرنے کے بعد راہِ حق کی طرف پلٹنا چاہتے ہیں، مگر ان کے قدم انہیں چلنے نہیں دیتے۔

میرے دوست! تم جانتے ہو کہ حُر نے کوئی معمولی گناہ یا غلطی نہیں کی تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے اور اپنے امامِ وقت کا راستہ روکا تھا مگر اُس نے اپنی غلطی کی تلافی کر کے بتا دیا کہ غلطی پر ڈٹے رہنا مردانگی نہیں بلکہ اپنی غلطی سدھار کر غلطی پر معافی مانگنا اور سچے دل سے توبہ کرنا انسان کو حر یعنی جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔

اور میرے عزیز دوست! حر نے یہ بھی سمجھا دیا کہ امامِ برحق کے ساتھ مر جانا گناہگاروں کے جھرمٹ میں زندہ رہنے سے بہتر ہے۔

## درسِ کربلا

- اپنے مخالف او رستہ روکنے والے کی بھی مہمان نوازی کرنا اور اس کی ضرورت کا خیال رکھنا، آئمہ معصومینؑ اور ان کے ماننے والوں کا طرۂ امتیاز ہے۔
- مقام و منزلت فاطمۃ الزہراء علیہاالسلام کو پہچان لینا اور ان کی تعظیم کرنا، حر کی نجات کا سبب بننے والے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔
- امام حسینؑ نے اپنا رستہ روکنے والے حر کی غلطی معاف کرکے بتایا کہ کوئی کتنا بڑا گناہ گار کیوں نہ ہو "توبہ" کا دروازہ اس کے لیے بھی کھلا ہے۔
- حق و باطل، یا سچ اور جھوٹ کے درمیان کھڑا شخص درحقیقت جنت و جہنم کے درمیان کھڑا ہوتا ہے۔ حر نے دل کی آنکھ سے دیکھ لیا تھا کہ وہ جنت و جہنم کے درمیان کھڑا ہے، پھر اس نے اپنی جان کی قیمت ادا کرکے جنت خرید لی۔ ہم بھی اپنی روزمرہ زندگی میں کئی مرتبہ جنت و جہنم کے درمیان کھڑے ہوتے ہیں خاص طور پر جب ہم حلال و حرام اور جائز و ناجائز دو کاموں کے درمیان کوئی فیصلہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس دوران ہمیں بھی اپنا فیصلہ اتنی احتیاط اور باریک بینی سے کرنا چاہیے جس قدر احتیاط اور دور اندیشی سے حضرت حر نے اپنا فیصلہ کیا۔
- جناب حر بے نمازی یا خدانخواستہ بدکردار شخص ہرگز نہ تھے بلکہ وہ امامؑ کے مقابل آکر بھی اپنی نمازیں امام حسینؑ کی اقتداء میں ادا کرتے رہے چونکہ وہ امام حسینؑ کو ہی امامِ برحق سمجھتے تھے۔

السلام علی الحسین
وعلی علی بن الحسین
وعلی اولاد الحسین
وعلی اصحاب الحسین

یا حر

Media

کربلا کی باتیں (بچوں کے لیے)

# مشق

۱. امام حسینؑ نے کس مقام پر اپنے جوانوں کو اضافی پانی جمع کرنے کا حکم دیا؟

۲. حر کا قافلہ کس حالت میں اور کس ارادے سے کس مقام پر امامؑ کے قافلے کے مقابل آیا؟

۳. حر کے قافلے میں سب سے پیچھے کون رہ گیا تھا، اور امامؑ کے لشکر میں پہنچ کر اس کے ساتھ کیا ہوا؟

۴. حر نے اپنے آنے کا کیا مقصد امام حسینؑ کو بتایا؟

۵. حر نے نمازِ ظہر کیوں نہیں پڑھی، اور نماز کے بارے میں کیا نظریہ تھا؟

۶. امام حسینؑ نے عقبہ ابن سمعان کو کیا چیز لانے اور حر کو دکھانے کا حکم دیا؟

۷. امامؑ نے حر کو کیا درمیانہ حل پیش کیا اور حر کا جواب کیا تھا؟

۸. امامؑ نے حر کے لشکر کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھنے کا حکم دیا تو کیا معاملہ پیش آیا؟

۹. امامؑ کے جواب میں حر بھی امامؑ کو کیا کہنا چاہتا تھا مگر پھر خاموش کیوں ہو گیا؟

۱۰. حر کو ابن زیاد کا کیا خط ملا؟

۱۱. شب عاشور حر کی کیا کیفیت رہی، وہ کیوں پریشان رہے؟

۱۲. مہاجر بن اوس اور جناب حر کے درمیان کیا گفتگو ہوئی؟

۱۳. جناب حر کا جھکا ہوا سر دیکھا تو امام حسینؑ نے انہیں کیا کہا؟

# تاریک رات اور دو پہاڑیاں

یہ آدھی رات کا وقت تھا۔ دو لشکر آمنے سامنے تھے اور دونوں طرف اگلی صبح ہونے والے معرکہ کی تیاری ہو رہی تھی۔ ایک طرف یہ معرکہ سر کرنے کے لیے تیر، تلواریں، نیزے اور گھوڑے تیار کیے جا رہے تھے جب کہ دوسری طرف ایک چھوٹا سا لشکر تھا جو پوری رات دعا و مناجات اور تلاوت و نماز میں مصروف رہا تا کہ موت کے لیے خود کو اچھی طرح تیار کر لیں۔ یہ عاشور کی رات تھی۔

دونوں طرف کچھ لوگ ایسے تھے جو پہرہ دے رہے تھے۔ نافع بن ہلال کا تعلق کوفہ سے تھا اور وہ سپاہِ حسینؑ کا حصہ تھے۔ اُس رات وہ پہرہ دینے والوں میں شامل تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ رات کی تاریکی میں امام حسین علیہ السلام خاموشی کے ساتھ اپنے خیمہ سے نکلے اور سرزمینِ کربلا کے ٹیلوں کی طرف چل پڑے۔ نافع بھی خاموشی کے ساتھ امامؑ کے پیچھے ہو لیے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ امام علیہ السلام کبھی کسی بلند ٹیلے پر جاتے، اِدھر اُدھر دیکھتے اور پھر نیچے اتر کر گہری جگہوں کا جائزہ لیتے۔ نافع کچھ دیر خود کو امامؑ کی نظروں سے پوشیدہ رکھ کر سب دیکھتے رہے۔ پھر امام علیہ السلام کے پاس چلے گئے اور پریشانی کی حالت میں پوچھا:

"میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں،
رات کی تاریکی میں خیموں سے اتنا دُور کیوں نکل
آئے ہیں؟ یزید کا لشکر بالکل سامنے ہے اور میں آپؑ
کو اُن ظالموں کے لشکر کے قریب دیکھ کر پریشان اور
مضطرب ہو گیا ہوں۔"

امام علیہ السلام نے شفقت بھری نگاہ سے اپنے باوفا اور غیرت مند صحابی کو دیکھا اور فرمایا:

"نافع! میں رات کی تاریکی میں میدان کربلا کو دیکھنے اور اس سرزمین کی بلندیوں اور گہرائیوں جائزہ لینے آیا ہوں، تاکہ دیکھ سکوں کی کہیں کوئی ایسی جگہ تو نہیں ہے جہاں سے دشمن چھپ کر تم پر حملہ کرے یا تمہارے حملوں سے بچنے کے لیے اس جگہ کو ڈھال بنائے۔"

اس کے بعد امام علیہ السلام نے نافع کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہنے لگے کہ "آج رات کا ہی وعدہ ہے، خدا کی قسم! یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا"۔ پھر چاند کی روشنی میں نظر آنے والی دو پہاڑیاں نافع کو دکھائیں اور اپنی انگلی سے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے:

"نافع! رات کی اس تاریکی میں کوئی بھی تمہیں نہیں دیکھ رہا، کیا تم نہیں چاہتے کہ اُن دو پہاڑیوں کے درمیان چھپ کر اپنی جان بچالو۔"

عزیز دوست!

نافع بن ہلال کوئی عام شخص نہ تھے، وہ اپنے قبیلے کے سردار تھے اور قاریِ قرآن بھی تھے۔ وہ ماہر تیر انداز اور ایسے بہادر جنگجو تھے جنہوں نے حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان جوش و جذبے سے لڑی تھیں۔ اب وہ چاہتے تھے کہ فرزندِ رسولؐ امام حسین علیہ السلام کی مدد کرتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیں۔ چنانچہ نافع بن ہلال امام حسین علیہ السلام کی یہ گفتگو سن کر اُن کے قدموں میں گر پڑے اور فریاد کرتے ہوئے کہنے لگے کہ

میری ماں میری موت کا ماتم کرے۔ اے فرزند رسولؐ! میں نے ہزار درہم میں
تلوار اور ہزار درہم میں گھوڑا خریدا ہے تاکہ کربلا آکر آپؑ کی مدد کرسکوں۔ اُس خدا کی قسم جس
نے میرے دل میں آپؑ کی محبت ڈالی ہے، میں تب تک آپؑ کی حفاظت کے لیے لڑتا رہوں گا
جب تک میری تلوار کی کاٹ باقی ہے اور جب تک میرا گھوڑا تھکن
سے چُور نہیں ہو جاتا۔

امامؑ نے نافع کی گفتگو سنی تو خوش ہوئے۔ پھر نافع کے ہمراہ اطراف کے سارے علاقے کا جائزہ لیا اور خیموں کی طرف واپس پلٹ آئے۔ واپس آکر امام حسین علیہ السلام اپنی بہن حضرت زینب علیہا السلام کے خیمے میں چلے گئے جب کہ نافع خیمے کے باہر پہرہ دینے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے سنا کہ جب امامؑ اپنی بہن کے خیمے گئے تو حضرت زینب علیہا السلام پریشانی کے عالم میں اپنے بھائی سے پوچھ رہی تھیں کہ "بھیا حسینؑ! کیا آپ نے اپنے اصحاب کو آزما لیا ہے؟ ایسا نہ ہو کہ کل جنگ کے دوران دشمن کے حملے دیکھ کر وہ آپؑ کو دشمن کے درمیان تنہا چھوڑ جائیں"۔

امامؑ نے اپنی بہن زینب علیہاالسلام کو بتایا کہ "آپ تسلی رکھیں اس لیے کہ وہ میرے ساتھ کربلا میں مرنے کے لیے یوں بے تاب ہیں جیسے بچہ اپنی ماں کے دودھ کے لیے بے تاب ہوتا ہے"

میرے عزیز دوست!

نافع نے بہن اور بھائی کے درمیان ہونے والی یہ گفتگو سُن لی تھی اور ان کا دل بھر آیا، شدید بے چینی کے عالم میں روتے ہوئے وہ حبیب ابن مظاہر کے پاس گئے اور انہیں امامؑ اور انکی بہن کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو سنائی۔ حبیب بھی بے چین ہو گئے اور کہنے لگے کہ "خدا کی قسم! اگر امامؑ کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو آج رات ہی دشمن پر ٹوٹ پڑتے اور وفا کی نئی داستانیں رقم کر دیتے"۔

پھر حبیب ابن مظاہر نے آواز دے کر خیموں میں موجود تمام اصحاب کو اپنے پاس جمع کر لیا۔ جب سب اکٹھے ہو گئے تو حبیب نے بنو ہاشم کے اصحاب سے درخواست کی وہ اپنے خیموں میں واپس چلے جائیں اور اپنی عبادت میں مصروف رہیں۔ اُن کے واپس جانے کے بعد باقی اصحاب کو نافع والی مکمل بات بتائی۔ سب اصحاب نے حبیب ابن مظاہر کو اطمینان دلایا کہ ان کے بھی یہی جذبات ہیں کہ اگر امامؑ کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو ابھی دشمن پر حملہ آور ہو جاتے اور جانثاری کے وہ جوہر دکھاتے کہ کائنات دنگ رہ جاتی۔

حبیب نے مشورہ دیا کہ آؤ سب مل کر بنتِ پیغمبرؐ کے خیمے کے باہر جاتے ہیں اور انہیں اپنی وفا اور اطاعت کا یقین دلاتے ہیں۔ اپنی تلواریں نیام سے نکال کر اُن کے سامنے یہ عہد کرتے ہیں کہ اب یہ

تلواریں تب تک نیام میں نہ جائیں گی جب تک آپؑ کے دشمنوں کے گلے کاٹ نہ لیں۔اپنے ہاتھوں میں نیزے اٹھا کر ان کے سامنے یہ قسم کھاتے ہیں کہ ہمارے ہاتھوں میں موجود یہ لمبے اور تیز نیزے دشمنوں کے سینے توڑے بغیر نیچے نہ جھکیں گے۔

جب خاندانِ رسالت کی خواتین نے امامؑ کے ساتھیوں کی یہ گفتگو سنی تو انہیں تسلی ہوئی۔ کسی خاتون نے پردے کے پیچھے سے ان بہادروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا:

"اے بہادر اور دلیر لوگو! رسولؐ کی بیٹیوں اور علیؑ کے خاندان کی حفاظت کرنا"

میرے عزیز دوست!

یہ وہ جذبہ تھا امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کی زندگی کی آخری رات اُن کے دلوں میں موجزن تھا۔وہ جانتے تھے کہ کل انہوں نے مر جانا ہے لیکن وہ موت سے ہر گز گھبرائے ہوئے نہ تھے۔بس وہ ایک چیز چاہتے تھے کہ ان کا خدا اور ان کے وقت کا امامؑ ان سے راضی ہو جائے۔

# درسِ کربلا

- امامؑ، امت کے شفیق باپ ہوتے ہیں، اسی شفقت اور محبت کے سبب انتہائی خطرہ ہونے کے باوجود امام حسین علیہ السلام خود میدان کا جائزہ لینے گئے تاکہ کوئی ان کے اصحاب پر بے خبری کی حالت میں حملہ آور نہ ہو۔
- دشمن کی ذہنیت اور اس کی فکری حالت کے مطابق اس کے حملوں سے محفوظ ہونے کی تیاری ہونی چاہیے۔ آج پوری دنیا ایک آفاقی گاؤں (Globalized Village) ہے اور سوشل میڈیا اس کا اہم اسلحہ ہے جس سے بے دینی اور بے راہ روی پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ سوشل میڈیا کا بہترین استعمال کرکے دشمن کا اسلحہ انہی پر استعمال کرنا ہوگا۔
- حقیقی شیعہ امامِ وقتؑ کی آمد سے پہلے اپنی تیاری مکمل رکھتے ہیں۔ نافع نے امام حسین علیہ السلام کے آنے سے پہلے ہی تلوار اور گھوڑا خرید لیا تھا تاکہ جب امام آئیں تو وہ فوراً ان کے ساتھ شامل ہو جائے۔
- عزاداروں کی حفاظت کے لیے پہرہ داری یا سیکورٹی ڈیوٹی دینا، حضرت عباس ابن علیؑ اور نافع بن ہلالؒ جیسے شہداء کربلا کے عمل کی پیروی ہے۔

السلام علی الحسین
وعلی علی بن الحسین
وعلی اولاد الحسین
وعلی اصحاب الحسین

## درسِ کربلا

- اماِم وقت کے لشکر میں رہ کر زندگی گزارنے اور کٹ مرنے کا سکون، دنیا کی کسی بھی چیز سے زیادہ ہے۔امامؑ نے اپنے لشکر کی حالت اپنی بہن کو یوں بیان کی تھی کہ " وہ میرے ساتھ کربلا میں مرنے کے لیے یوں بے تاب ہیں جیسے بچہ اپنی ماں کے دودھ کے لیے بے تاب ہوتا ہے"۔
- ایک شیعہ اپنے امامؑ کا مکمل مطیع ہوتا ہے اور اپنی مرضی اور چاہت کو امامؑ کے حکم کے سامنے کچھ نہیں جانتا، حبیب اور دیگر اصحاب چاہتے تھے کہ اپنی وفا ثابت کرنے کے لیے رات کو ہی دشمن پر ٹوٹ پڑیں لیکن حبیب ابن مظاہر نے کہا تھا کہ " خدا کی قسم ! اگر امامؑ کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو آج رات ہی دشمن پر ٹوٹ پڑتے اور وفا کی نئی داستانیں رقم کر دیتے۔
- دین اپنی مرضی اور چاہت کے مطابق زندگی گزارنے کا نام نہیں بلکہ امامِ وقت کی اطاعت میں خدا کی رضایت پا لینے کا نام ہے۔

# مشق

۱. حضرت نافع بن ہلال کون تھے اور شب عاشور وہ کون سی ذمہ داری سرانجام دے رہے تھے؟

۲. امام حسینؑ شب عاشورا اپنے خیمے سے نکل کر کہاں گئے اور کیوں؟ اس بات کا علم نافع کو کیسے ہوا؟

۳. نافع نے امامؑ کی خدمت میں پیش ہو کر کیا کہا؟

۴. امامؑ نے نافع کو شبِ عاشور دو پہاڑیاں کیوں دکھائیں اور پھر کیا کہا؟

۵. نافع نے امامؑ کی بات کا کیا جواب دیا؟

۶. شب عاشور جب امامؑ میدانِ کربلا کا جائزہ لے کر واپس آئے تو حضرت زینبؑ نے بھائی سے کیا کہا؟

۷. امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے شوقِ شہادت کو اپنی بہن کے سامنے کیسے بیان کیا؟

۸. جناب نافع نے جب بہن بھائی کی گفتگو سن کر حبیب ابن مظاہر کو بتائی تو انہوں نے کیا ردّ عمل دیا؟

۹. حبیب ابن مظاہر نے بنت علیؑ کے خیمے کے باہر جا کر کن الفاظ میں انہیں تسلی دینے کا کہا؟

۱۰. اصحاب کے جذبہ فداکاری کو دیکھ کس خاتون نے کن الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا؟

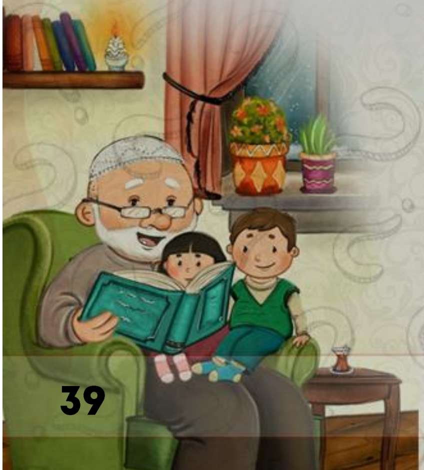

# شہد سے شیریں موت

وہ سب اس پر آشوب رات **امام حسین علیہ السلام** کے خیمے میں جمع ہو چکے تھے اور ان کی تعداد لگ بھگ بہتّر تھی۔ امامؑ نے خود انہیں یہاں جمع کیا تھا تاکہ اُن سے ایک اہم بات کر سکیں اور اب امامؑ کے حکم پر چراغ بھی بجھا دیا گیا تھا۔ **امام علیہ السلام** نے اُن کو بتایا کہ لشکرِ یزید میرے لیے اکٹھا ہوا ہے اور اُن کی دشمنی مجھ سے ہے۔ لہٰذا تم سب کو اجازت ہے کہ رات کی اِس تاریکی میں یہاں سے چلے جاؤ اور اپنی جان بچالو۔ مگر اُن میں سے کوئی ایک بھی جانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ بلکہ اُن میں سے بعض نے کھڑے ہو کر **امام علیہ السلام** کو بتایا کہ وہ امامؑ کے ساتھ ہزار بار بھی قتل ہونے کے لیے تیار ہیں مگر یہاں سے جانے کے لیے راضی نہیں۔ **سید الشہداء علیہ السلام** نے اُن کا یہ جذبہ دیکھا تو پھر اُن میں سے ہر ایک کو اُس کا نام لے کر اُس کی شہادت کا مقام دکھایا کہ وہ کل کہاں اور کس حال میں شہید کیے جائیں گے۔

اس دوران خیمے کے کونے میں ایک تیرہ سالہ بچہ بھی بیٹھا ہوا تھا جو یہ ساری گفتگو بہت شوق اور دلچسپی سے سنتا رہا۔ لیکن جب اُس کا نام شہیدوں کی فہرست میں نہ آیا تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور خاموشی کو توڑتے ہوئے بولا:

**چچا جان! کیا شہیدوں میں میرا نام نہیں ہے؟**

اس بچے کے سوال پر سب حیران ہو گئے۔ یہ **امام حسین علیہ السلام** کے بھتیجے قاسم ابن حسنؑ تھے۔ شفیق چچا نے محبت اور پیار سے اپنے بھتیجے کی طرف دیکھا اور پوچھا:

قاسم بیٹا!
تمہاری نظر میں موت کیسی ہے؟

جناب قاسمؑ نے سوچا کہ شاید میرے چچا اس لیے پوچھ رہے ہوں گے کہ قاسم ابھی چھوٹا ہے، اور کہیں لشکرِ یزید سے لڑنے اور موت کے مقابل جانے کے وقت گھبرا نہ جائے۔ اس لیے وہ فوراً دلیرانے لہجے میں بولے:

"چچا جان! میرے لیے تو موت شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے۔"

یہ سن کر قاسمؑ کے چچا حسینؑ کے ہونٹوں پر خوشگوار مسکراہٹ بکھر گئی اور ناز و محبت سے کہنے لگے: "ہاں قاسمؑ تم بھی کل کے شہیدوں میں ہو اور علی اصغرؑ بھی کل شہیدوں میں ہوگا۔"

یہ سن کر قاسم مطمئن ہو گئے اور پھر بقیہ ساری رات عبادت، دعا اور اگلی صبح ملنے والی شہادت کی خوشی میں گزر گئی۔

نماز صبح کے ساتھ ہی دشمن نے لشکرِ حسینؑ پر حملہ کر دیا۔ دشمن کا یہ حملہ اجتماعی تھا۔ اس کے بعد امامؑ کے اصحاب نے اجازت لے کر ایک ایک کر کے میدان میں جا کر جنگ کرنا شروع کی۔ جو بھی میدان میں گیا وہ زندہ واپس نہ آیا، اس کے باوجود وہ سب میدان میں جانے اور شہادت پانے کے لیے بے تاب تھے۔

جناب قاسمؑ بھی بہت پُر جوش تھے کہ ابھی کچھ دیر بعد مجھے بھی میدان جانے کی اجازت ملے گی اور میں اسلام کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑوں گا اور اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر ان پر حملہ آور ہو جاؤں گا۔ اور اپنی ننھی سی جان اسلام کو زندہ کرنے کے لیے پیش کر دوں گا۔

اُن سے پہلے اُن کے دونوں دوست عونؑ اور محمدؑ بھی شہید ہو چکے تھے اور ان کے لاشے خیموں کے باہر دوسرے شہیدوں کے ساتھ رکھے تھے۔ بالآخر وہ وقت آیا جب جناب قاسمؑ کو میدان جانے کی اجازت مِل گئی۔ میدانِ کربلا بھیجتے ہوئے چچا اپنے بھتیجے سے بغل گیر ہو گئے اور کچھ دیر دونوں یونہی روتے رہے۔

میرے عزیز دوست!

جناب قاسم میدان جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ اُن سے پہلے جتنے بھی شہداء میدان جنگ میں گئے سب نے جنگی سامان پہن رکھا تھا۔ انھوں نے سر پر "خود" پہن رکھا تھا تاکہ دشمن کا وار اُن کے سر پر اثر نہ کرے اور سینے پر زرہ پہنی ہوئی تھی تاکہ دشمن کی تلوار سینے کو زخمی نہ کرے۔ لیکن حضرت قاسم چونکہ کم سن تھے اور ان کے ناپ اور ان کی جسامت کی زرہ اور خود عربوں میں موجود نہ تھیں، اس لیے امام حسینؑ نے انہیں میدان جنگ میں بھیجتے ہوئے "خود" کی جگہ عمامہ اور "زرہ" کی جگہ قمیض پہنائی۔

پھر ان کی قمیض کا گریبان چاک کر دیا کیونکہ اہل عرب بعض مواقع پر یتیموں کی پہچان کے لیے ان کا گریبان چاک کر دیتے تھے تاکہ سب لوگ جان لیں کہ یہ یتیم ہے اور پھر کوئی اس پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اس کمسن مجاہد کی کمر کے ساتھ تلوار لٹکائی اور پھر انہیں اپنے ہاتھوں پر اُٹھا کر گھوڑے کی زین پر سوار کیا۔

میرے عزیز دوست!

قاسمؑ ایک ہاشمی بچہ تھا اور وہ پہلی مرتبہ میدانِ جنگ میں جا رہا تھا، اور وہ بھی ایسے حالات میں جب دشمن ہزاروں کی تعداد میں اور نہرِ فرات کے ٹھنڈے اور میٹھے پانی سے تازہ دم سیراب تھا جب کہ جناب قاسمؑ جب میدان میں گئے تو تنہا بھی تھے اور تین دنوں کے پیاسے بھی۔

ایک بہادر جنگجو کی طرح قاسمؑ رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں کے عین سامنے جا کھڑے ہوئے۔ دشمن کا ایک سپاہی، جس کا نام حمید بن مسلم ہے، دیکھتے ہی پکار اٹھا "ارے لوگو! اس نوخیز لڑکے کا چہرہ دیکھو، یہ تو چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے"۔

کربلا میں امام حسین علیہ السلام کا دشمن انسانیت سے بالکل عاری تھا۔ جب جناب قاسم نے رجز بلند کیا تو دشمن کی فوجیں ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑیں۔ جناب قاسم نے ہاشمی شجاعت دکھاتے ہوئے نعرہ تکبیر بلند کیا اور تلوار لہراتے ہوئے دشمن کی صفوں کو چیرنے لگے۔

ایمان کی طاقت اور مقصد پر ایمان انہیں بھرپور طاقت دیتے جارہے تھے اور وہ دشمن پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ قاسم بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہے تھے اور اپنے آپ سے ایک بات کہے جارہے تھے کہ اگرچہ آج میرے ٹکڑے کیوں نہ ہو جائیں، میں اپنے امامِ وقت کا رستہ بند کرنے والوں اور اُن پر پانی بند کرنے والوں کو زندہ نہیں جانے دوں گا۔

میرے عزیز دوست!

ہاشمی شیر کی شجاعت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ ابھی بچے تھے مگر انہوں نے اپنی بہادری، شجاعت اور جنگ سے سب یزیدیوں کو حیران و پریشان کر دیا تھا۔ وہ اپنا حملہ بڑھائے جارہے تھے اور اب تک پینتیس (۳۵) یا ایک روایت کے مطابق ستر (۷۰) یزیدیوں کو اپنی تلوار سے واصل جہنم کر چکے تھے۔

یتیمِ حسنؑ کی جنگ ابھی جاری تھی کہ اسی دوران ایک ظالم نے سر پر اس زور سے تلوار ماری کہ اُن کا سر پھٹ گیا اور وہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ پیاس، درد، گرمی، ماں کی یاد، جنت اور بہت کچھ ایسا تھا جو اس لمحے انہیں اک دم یاد آگیا مگر جب ہونٹوں سے کچھ کہنا چاہا تو خیموں کی طرف منہ کر کے بس ایک ہی جملہ کہا:

**یا عماہ۔۔۔**

**یعنی اے چچا جان (میری مدد کو آؤ)۔**

قاسم کی پکار سن کر شہیدوں کے سردار امام حسین علیہ السلام ایک غضب ناک شیر کی طرح لپکے اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ امامؑ نے جناب قاسمؑ کے قاتل پر، جو ابھی تک اُن کے پاس کھڑا تھا، اِس زور سے تلوار چلائی کہ اس کا بازو کٹ کر زمین پر جا گرا۔ اس نے چیختے چلاتے یزیدی سپاہیوں کو اپنی مدد کے لیے بلایا اور پھر ایک جنگ، قاسمؑ کے زخمی جسم کے پاس چھڑ گئی۔ اسی سوچ میں کہ میرا چچا اکیلا ہے اور فوجِ یزید کے سپاہی زیادہ ہیں اور میں اس قدر زخمی ہوں کہ سر نہیں اٹھا سکتا جناب قاسمؑ کی روح پرواز کر گئی۔

میرے حسینی دوست!

میں سوچتا ہوں کہ امام حسینؑ نے اس سپاہ سے خود کو اور جناب قاسمؑ کے زخمی بدن کو کیسے بچایا ہوگا، اور پھر زخمی، پیاسے اور تھکے ہوئے امامؑ نے اپنے بھتیجے کا لہو لہان لاشہ خیام تک کیسے اٹھا کر لایا ہوگا۔

اے میرے عزادار دوست!

میرا عقیدہ ہے کہ جناب قاسمؑ کربلا کے شہیدوں کے ہمراہ جنت میں سکونت پذیر ہوں گے۔ بے شک انہوں نے معرکہ حق و باطل میں حق کی صفوں میں خوب جم کر جہاد کیا اور بلند مرتبہ پایا۔

میرے دوست! یاد رکھنا کہ حق اور باطل، صحیح اور غلط، سچ اور جھوٹ ہمیشہ سے مقابلے میں رہے ہیں۔ جس زمانے میں تم جی رہے ہو اس میں بھی حق و باطل کے معرکے روز سجتے ہوں گے البتہ تمہارے زمانے کے حساب سے۔ میں قاسم بن حسنؑ کی روداد سنا کر تمہیں بس یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے بچپن کی وجہ سے چیزوں سے بے پرواہ مت رہنا بلکہ ابھی سے حق و باطل اور صحیح اور غلط کی پہچان سیکھو۔

اور دیکھو! عہد کرو کہ اپنی آنے والی زندگی میں کبھی بھی حق سے دور نہیں رہو گے اور نہ ہی باطل سے ڈرو گے۔ بلکہ باطل کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو تم ہمیشہ اس کے مقابل ہو جانا اور پھر اُس کا خوف یوں دل سے نکال دینا کہ تمہیں اپنی جان، مال، اولاد، رشتہ دار حتی کی کسی چیز کی کوئی پرواہ نہ رہے اور تمہیں بھی اپنی موت شہد سے زیادہ شیریں لگنے لگے۔

یاد رکھنا کہ اپنے امام کا حکم مان کر تم بھی بے خوف ہو سکتے ہو اور تم بھی ہیرو بن سکتے ہو۔

# درسِ کربلا

اس سبق میں ہم نے سیکھا کہ

- ❖ اللہ کی محبت اور امامِ وقت کی معرفت بچپنے میں ہی موت کا خوف دور کر سکتی ہے۔ جناب قاسمؑ اگرچہ ابھی تیرہ سال کے تھے مگر ان دو اوصاف کی وجہ سے موت کو شہد کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ شیریں سمجھتے تھے۔
- ❖ چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کو اُن کے بچپنے میں بھی صحیح اور غلط سے بے پرواہ نہ رکھیں، بلکہ کم عمری میں ہی انہیں حق و باطل کی پہچان کرائیں۔

# مشق

۱. شب عاشور امام حسینؑ نے چراغ کیوں بجھایا، اپنے اصحاب سے کیا فرمایا اور اُن کا جواب کیا تھا؟

۲. عاشور کی رات چراغ بجھنے کے بعد کتنے افراد امامؑ کو چھوڑ کر چلے گئے اور وہ کہاں گئے تھے؟

۳. وہ تیرہ سالہ بچہ کون تھا اور اُس نے امامؑ سے کیا سوال کیا تھا؟

۴. حضرت قاسمؑ کی نظر میں امام حسینؑ کے ہمراہ موت کا جام پینا کیسا ہے؟

۵. امام حسینؑ نے جناب قاسمؑ کو جنگی لباس سے کیسے آراستہ کیا اور انہیں کیا کیا پہنایا؟

۶. دشمن کے ایک سپاہی نے جب جناب قاسمؑ کو میدان میں دیکھا تو کیا وہ کیا پکارا؟

۷. جناب قاسمؑ ابھی بچے تھے، کیا وہ جنگ کرنا جانتے تھے؟ انہوں نے کیسی جنگ کی؟

۸. زخمی ہونے کے بعد جب آپؑ زمین پر آئے تو کیا پکارا؟

۹. جناب قاسمؑ کی پکار پر امام حسینؑ کیسے لپکے؟ اور پھر میدان میں کیا ہوا؟

۱۰. جناب قاسمؑ نے کربلا میں اپنی جان قربان کرکے بچوں کو کیا پیغام دیا؟

# علمدارِ لشکر

یہ محرم کی نو تاریخ تھی اور جمعرات کا دن۔ کربلا کا گرم سورج اب مغرب کی جانب ڈھل چکا تھا اور خیموں کے سائے خاصے بڑے ہو چکے تھے۔ امام حسین علیہ السلام ایک خیمے کے سائے میں خاکِ کربلا پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرے ہاتھ میں وہ پتھر جس سے تلوار تیز کی جاتی ہے۔ آپؑ اس پتھر سے اپنی تلوار کی دھار تیز کرتے رہے اور پھر تلوار کی نوک زمینِ کربلا میں گاڑھ کر اپنا ماتھا تلوار کے دستے پر ٹیک کر بیٹھ گئے۔ اسی حالت میں آپ کی آنکھ لگ گئی۔

حضرت زینبؑ کی آواز پر آپ کی آنکھ کھلی، جو پکار کر کہہ رہی تھیں کہ

"بھیا حسینؑ! دیکھو ذرا یہ دشمن ہماری طرف کیوں پیش قدمی کر رہا ہے اور یہ آوازیں کیسی ہیں۔
دیکھیں تو دشمن خیموں کے قریب آگیا ہے"

آپؑ نے اپنی آنکھیں کھولیں، سر اوپر اٹھایا اور اپنی بہن کو بتایا کہ میں ابھی خواب میں اپنے نانا کو دیکھ رہا تھا جو مجھے کہہ رہے تھے کہ تم عنقریب ہمارے پاس آنے والے ہو۔ بہن بھائی میں ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام نے اطلاع دی کہ دشمن کی فوج نے حملہ کر دیا ہے۔ امام حسین علیہ السلام یہ سن کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"بھائی عباس! میری جان آپ پر قربان ہو، سوار ہو کر جاؤ، ان سے ملو اور پوچھو کہ کیا چاہتے ہیں، اُن سے کہو کہ اس وقت حملے کا سبب کیا ہے؟"

حضرت عباس علیہ السلام بیس گھڑسواروں کے ساتھ دشمن کی طرف گئے اور اُن سے پوچھا کہ جب معاملہ بظاہر مذاکرات سے حل ہوتا ہوا نظر آرہا تھا، تو اب تمہاری رائے میں تبدیلی کیوں واقع ہوئی ہے اور اب تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ابن زیاد کا نیا حکم آیا ہے کہ یا تو تم لوگ آج اور ابھی یزید کی بیعت کر لو، وگرنہ تم پر اسی وقت جنگ مسلط کر دی جائے۔

حضرت عباسؑ نے واپس آکر امام حسین علیہ السلام کو اُن کے ارادوں سے باخبر کیا۔ امامؑ نے جب لشکرِ یزید کے عزائم سنے تو پھر حضرت عباسؑ سے فرمایا کہ

"عباسؑ! ان کے پاس واپس جاؤ اور اگر ممکن ہو تو ایک رات کی مہلت مانگ لو اور جنگ کو کل صبح تک کے لیے ٹال دو، تاکہ آج کی رات ہم عبادتِ الٰہی، دعا اور استغفار میں بسر کر سکیں۔ کیونکہ میرا خدا جانتا ہے کہ میں اس کی نماز و عبادت، تلاوت قرآن، اور دعا و استغفار سے کتنی محبت رکھتا ہوں۔"

حضرت عباسؑ واپس گئے اور لشکرِ حسینؑ کے لیے ایک رات کی مہلت لے آئے۔

میرے عزادار دوست! آپ جانتے ہو کہ اٹھائیس رجب کی رات مدینہ کے گورنر ولید کے دربار میں جانا ہو، یا نو محرم کو ایک رات کی مہلت مانگنا ہر مشکل مرحلے پر حضرت عباسؑ اپنے بھائی امام حسینؑ کے لیے صفِ اول میں نظر آئے۔

قرائن بتاتے ہیں کہ بظاہر انہی حالات کے لیے حضرت علیؑ نے ان کی تمنا کی تھی۔ اور ایک بہادر بیٹے کی خواہش میں آپؑ کی ماں حضرت ام البنینؑ سے شادی کی تھی جو ایک شجاع اور جری قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ امیر المومنینؑ چاہتے تھے کہ ام البنینؑ کے بطن سے ایک ایسا دلاور اور شیر بچہ پیدا ہو جو حیدرِ کرار کی شجاعت کے ساتھ ساتھ اپنی ماں سے بھی دلیری و جوانمردی کو وراثت میں پائے۔ وہ عاشورا ہی کے لیے پیدا ہوئے تھے، اور اب ہر مشکل مرحلے میں امام حسینؑ کے مشیر بھی تھے اور اُن کی ڈھال بھی۔ امام حسینؑ مشکل حالات کے مقابل اپنے بھائی عباسؑ کو بھیجتے اور وہ ہر بار سرخرو واپس آتے۔

میرے عزیز دوست!

عاشور کے دن بھی ایک ایسے مشکل وقت نے امام حسین علیہ السلام نے انہیں اپنے پاس بلایا جب اُن کے لشکر کے پانچ جوان بیک وقت لشکرِ یزید پر ٹوٹ پڑے تھے، اور سپاہِ یزید میں گھس کر خوب شمشیر زنی کر رہے تھے۔ اسی دوران ان بہادروں کو لشکرِ یزید نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور حسینی لشکر سے جدا کر دیا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی ابو الفضل العباس علیہ السلام کو اپنے پاس بلا کر اُن کی مدد کے لیے روانہ فرمایا تھا۔

حضرت عباسؑ نے جا کر فوج پر حملہ کیا اور تلوار چلانا شروع کی یہاں تک کہ لشکر کو منتشر کر دیا۔ اور ان زخمی بہادروں کو دشمن کے حلقہ سے نکال کر اپنی جماعت کی طرف واپس لے چلے۔ ابھی پورا رستہ طے نہ کیا تھا کہ دشمن نے اکٹھے ہو کر پیچھے کی طرف سے دوبارہ حملہ کر دیا۔ حضرت عباسؑ نے ان زخمی بہادروں کو آگے کیا اور خود ان کی حفاظت کے لیے ان کے پیچھے ہو گئے تاکہ کوئی انہیں تکلیف نہ پہنچائے۔ مگر دشمن کے پاس پہنچتے ہی ان زخمی شیروں کی کے جوش کی انتہا نہ رہی، اور وہ عباسؑ کی حفاظت سے نکل کر دشمنوں پر جھپٹ پڑے۔ اور اس کے باوجود کہ زخموں سے بالکل بے حال تھے لیکن جان توڑ شمشیر زنی کی اور آخر ایک ہی جگہ گر کر شہید ہو گئے۔

میرے عزادار دوست!

اللہ نے جب سے زمانہ و زمین کو خلق فرمایا ہے دس محرم سے زیادہ سخت دن نہ آیا ہوگا۔ یہ پورا دن ہی سخت آزمائش پر مشتمل تھا۔ لیکن حضرت عباسؑ کے لیے اُس وقت زندہ رہنا مشکل ہو گیا تھا جب امام حسینؑ کے سارے اصحاب اور انصار شہید ہو چکے تھے، اور دشمن طعنے دینے اور طنز کرنے پر اتر آیا تھا۔ ایسے میں حضرت عباسؑ نے اپنے آقا و مولا کی بے کسی اور تنہائی دیکھی تو امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے:

> **یا اخی هل لی من رخصة**
>
> اے بھائی جان! کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں میدان جا کر آپؑ کی نصرت میں علمِ جہاد بلند کروں؟

یہ سُن کر شہیدوں کے سردار امام حسین علیہ السلام نے سخت گریہ وبکا کیا اور حضرت عباسؑ سے کہنے لگے:

آپؑ کو کیسے میدان روانہ کردوں، آپؑ تو میرے لشکر کے علمدار ہیں۔ آپؑ کے جانے سے تو سارا سلسلہ ہی ختم ہو جائے گا۔

امامؑ کے اس جواب پر حضرت عباس علیہ السلام نے اپنے دل کا حال بتاتے ہوئے فرمایا:

میدانِ کربلا میں آپ کی تنہائی و غربت دیکھ کر میرا سینہ تنگ ہو گیا ہے، اور میں دنیاوی زندگی سے اُکتا گیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب میں ان ظالموں اور منافقوں سے اُن کے ظلم کا انتقام لوں۔

مظلومِ کربلاؑ نے ایک مشک اٹھائی اور حضرت عباس علیہ السلام کے حوالے کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ بھائی اگر جنگ کا ارادہ ہے تو میدان میں جاؤ اور پھر ان بچوں کے لیے تھوڑا سا پانی لے آؤ۔

حضرت عباس علیہ السلام نے لشکرِ یزید کے سامنے جا کر پہلے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور انہیں سمجھایا کہ وہ کتنا بڑا جرم سرزد کرنے کے درپے ہیں، پھر انہیں خیموں میں پیاس کی شدت کا بتایا کہ خیامِ حسینی میں پیاس کی شدت نے بچوں کے دل جلا دیے ہیں۔

حضرت عباس علیہ السلام کی اس گفتگو کے جواب میں شمر بولا کہ

اے ابوتراب کے بیٹے! فرض کرو پوری زمین پر پانی ہی پانی ہو جائے اور وہ پانی ہمارے قبضے میں ہو تو تب بھی ہم اُس وقت تک تمہیں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دیں گے جب تک تم یزید کی بیعت نہ کرلو۔

میرے عزادار دوست!

حیدرِ کرار کے شجاع بیٹے کی غیرت کو اُدھر شمر نے للکارا تھا اور اِدھر خیموں سے بچوں کی العطش العطش کی صدائیں اُن کو صاف سنائی دے رہی تھیں۔ پھر کیا تھا عباسِ دلاور نے ایک ہاتھ میں مشک تھامی اور دوسرے سے اپنی تلوار۔

پھر علیؑ کے بیٹے نے تن تنہا لشکرِ یزید پر حملہ کر دیا اور دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے دریائے فرات کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔

میرے عزیز دوست!

عمر ابن سعد نے دریائے فرات کے کنارے چار ہزار سپاہیوں کو مقرر کر رکھا تھا۔ انہوں نے جب عباسؑ کو فرات کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا تو چار ہزار کی فوج اُن کے قدم روکنے کے لیے حرکت میں آگئی۔ ام البنین علیہاالسلامؑ کے لعل نے انہیں اپنے مقابلے میں آتے دیکھا تو اپنے حملے کی طاقت اور بڑھا دی اور دشمنانِ اسلام پر پوری قوت سے ٹوٹ پڑے اور اُن کی صفوں کو الٹنے پلٹنے لگے۔ حیدری شجاعت کے وارث عباسؑ جدھر منہ کرتے اُدھر ہی لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے اور کوئی ان کے مقابلے میں ٹک نہ پاتا۔ اور یوں عباسؑ نے یزیدی فوج کی جنگی ترتیب کو بھی پچھاڑ کر رکھ دیا۔

میرے عزیز دوست!

بس پھر کیا تھا۔۔۔! کس کی ہمت و جرات تھی کہ وہ حیدرِ کرار کے دلاور بیٹے کے مقابلے میں میدان میں کھڑا رہتا۔ یزیدی فوج نے اپنی جانیں بچانے کے لیے پسپائی اختیار کی اور رستہ چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ شجاعتِ حیدریہ کے وارث نے اپنا گھوڑا دریائے فرات میں داخل کیا۔ فرات کے پانی پر اپنا قبضہ دکھاتے ہوئے ایک چلو پانی ہاتھ میں لیا اور یہ بتاتے ہوئے گرا دیا کہ جب تک خیام میں امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہلِ بیتؑ پیاسے ہیں عباسؑ کا پانی پینا شانِ وفا کے خلاف ہے۔

پھر عباسِؑ دلاور نے مشکیزہ پانی سے بھرا اور دریا سے باہر نکلے۔ اس دوران یزیدی فوج دوبارہ سے صفیں درست کر چکی تھی اور پہرہ باندھ کر حضرت عباسؑ کے رستے میں کھڑی تھی۔ خیام تک پانی پہنچانے کے لیے اب حضرت عباس علیہ السلام کے لیے ایک اور جنگ ناگزیر تھی۔ جب کہ دوسری طرف یزیدی فوج کی پوری کوشش تھی کہ پانی خیام تک کسی صورت نہ پہنچے۔

اسی مقصد کے لیے فوج یزید نے حضرت عباس علیہ السلام کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مگر شیر خدا کے بیٹے کا راستہ روکنا کسی کے لیے ممکن کب تھا۔ حضرت عباس علیہ السلام بڑھ بڑھ کر ان پر حملے کرتے جاتے اور لشکرِ یزید کو پسپا کر کے اپنا راستہ بناتے جا رہے تھے۔ مگر ایسے میں کمین گاہ سے چھپ کر ایک شقی نے اُن کے دائیں بازو پر ایسا وار کیا کہ بازو قلم ہو کر زمین پر گر پڑا۔

میرے عزادار دوست

کوئی بھی چیز حضرت عباس علیہ السلام کے حوصلے کو پست نہیں کر سکتی تھی، اس لیے انہوں نے نہایت پھرتی سے مشک کو اپنے بائیں کندھے پر ڈالا اور اپنے بائیں ہاتھ میں تلوار تھام کر یزیوں پر حملہ جاری رکھا۔ آپ حملہ کرتے جاتے تھے اور اُن بزدلوں کو کہتے جاتے تھے کہ.

خدا کی قسم اگرچہ تم نے میرا دایاں بازو قلم ہی کیوں نہ کیا ہو میں پھر بھی اپنے دین کی حمایت میں تلوار چلاتا رہوں گا۔

ادھر دائیں بازو سے خون کا فوارا بھی جاری تھا کہ اُس ظالم نے بائیں بازو پر ایسا وار کیا کہ عباسؑ کا بایاں بازو بھی قلم ہو گیا۔

میرے عزادار دوست!

ام البنینؑ کے بیٹے کے دونوں بازو کٹ چکے تھے، تلوار زمین پر گر چکی تھی اور اب وہ لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے، مگر اِس حالت میں بھی وہ اپنا مشن ہر صورت پورا کرنا چاہتے تھے۔ اور اُن کا مشن اور مقصد تھا خیامِ حسینی میں پانی پہنچانا۔ اس لیے انہوں نے مشک کو اپنے دانتوں میں دبایا اور گھوڑے کو ایڑھ لگائی تا کہ کسی طرح پانی کا مشکیزہ خیموں میں پہنچ جائے مگر اسی دوران ایک اور ظالم نے مشک کا نشانہ لگا کر تیر مارا اور سارا پانی زمین پر بہہ گیا۔ اسی دوران ایک اور تیر آپؑ کے سینہ اقدس پر لگا۔ حکیم ابن طفیل جو آپ کے قریب کھڑا تھا اُس نے لوہے کا گرز اس زور سے آپؑ کے سر مبارک پر مارا کہ سر پھٹ گیا اور آپ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور زمین پر گر گئے۔ گرتے ہوئے امامِ مظلومؑ کو صدا دی

یا ابا عبداللہ علیک منی السلام، اے ابو عبداللہ امام حسینؑ! میرا آخری سلام قبول ہو

میرے عزادار دوست!

تم جانتے ہو کہ عباسؑ خیامِ حسینی میں پانی نہ پہنچا سکے، مگر پانی لیجانے کے لیے جس انداز میں انہوں نے کوشش کی اس کے صلہ میں انہیں "سقاء حرم" یا "سقاءِ سکینہ" کا لقب ملا، یعنی کہ حرم کو پانی پلانے والے۔ انہوں نے اپنی اس کوشش کے ذریعے ہم سب کو یہ بات سمجھائی کہ اگرچہ نتیجہ تمہارے حق میں نہ نکلے مگر تمہاری کوشش ہر صورت رنگ لائے گی۔ کوشش تمہارے ہاتھ میں ہے اور اس کو ثمر آور بنانا پروردگار کے ہاتھ میں۔ اس لیے تم اپنی کوشش میں کوئی کمی کبھی مت چھوڑنا، نتیجہ بھی تمہارے حق میں آئے گا۔

# درسِ کربلا

- انسان کو نتیجہ سے بے پرواہ ہو کر کوشش ضرور کرنی چاہیے چاہے حالات جیسے بھی ہوں، خدا کی مدد سے اُس کی کوششیں ضرور رنگ لاتی ہیں۔
- اطاعتِ امام علیہ السلام انسان کو وفا کے راستے کا مسافر بناتی ہے۔ اور وفا بغیر اطاعت کے ممکن نہیں۔ حضرت عباس علیہ السلام امامِ وقت کے مکمل مطیع و فرمانبردار تھے، اور اسی چیز نے انہیں مجسم وفا بنا دیا تھا۔ ہم بھی اپنے امام علیہ السلام کی اطاعت کر کے باوفا ہو سکتے ہیں۔
- موت سامنے دیکھ کر بھی عبادت و مناجات اور دعا کے لیے کچھ وقت کی مہلت مانگنا بتاتا ہے کہ خدا کی عبادت میں کس قدر کشش اور لذت ہے۔ اولیاء الٰہی اسی لذت کو حاصل کرنے کے لیے الوداعی عبادت کے لیے مختصر وقت کی مہلت مانگ لیتے تھے۔

السلام علی الحسین
وعلی علی بن الحسین
وعلی اولاد الحسین
وعلی اصحاب الحسین

# مشق

۱. عصرِ عاشور جب حضرت اپنی تلوار تیز کرتے ہوئے امام حسینؑ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟

۲. امامؑ نے کن الفاظ میں کون سی ذمہ داری حضرت عباسؑ کے سپرد کی؟

۳. حضرت عباسؑ نے جب دشمن کے حملہ کر دینے کے ارادوں سے باخبر کیا تو امامؑ نے اُن سے کیا فرمایا؟

۴. جب لشکرِ امام حسینؑ کے پانچ جوان حملے کے دوران فوجِ یزید میں گھر کر پھنس گئے تو حضرت عباسؑ نے حکمِ امامؑ پر کیا فریضہ انجام دیا؟

۵. سب اعوان و انصار کے شہید ہو جانے کے بعد حضرت عباسؑ نے امام حسینؑ کو کیا عرض کیا اور امامؑ نے کیا جواب دیا؟

۶. کس موقع پر امام حسینؑ نے مشک حضرت عباسؑ کے سپرد کی اور اُنہیں کیا درخواست کی؟

۷. حضرت عباسؑ کے خطبہ کے جواب میں شمر نے کیا کہا؟

۸. حضرت عباسؑ کتنے ہزار سپاہیوں کا پہرہ توڑ کر کیسے فرات تک پہنچے؟

۹. فرات کا پانی چلو میں بھرنے کے بعد حضرت عباسؑ نے پیا کیوں نہیں؟

۱۰. ایک بازو قلم ہونے کے بعد آپؑ نے مشک کی حفاظت کیسے کی اور کیا فرمایا؟

۱۱. حضرت عباسؑ کو سقائے حرم کیوں کہا جاتا ہے؟

# قیامت خیز دن اور ایک کمسن شہید

کربلا میں مہلت مانگ کر لی گئی رات گزر گئی۔ فجر ہوئی تو حضرت علی اکبرؑ نے اذانِ صبح کہی۔ جس کے فوراً بعد امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو وہ نماز پڑھائی جس کی تعقیبات میں کربلا کا جہاد تھا۔ یہ صبحِ عاشور تھی یا قیامت کی صبح اس بات کا اندازہ لگانا مشکل ہے مگر یہ معلوم ہے کہ کائنات کی تخلیق سے لے کر قیامت برپا ہونے تک ایسا کوئی دن ہوا ہے، نہ ہوگا۔

دشمن کو بس رات کے ختم ہونے کا انتظار تھا تاکہ صبح ہوتے ہی جنگ کا آغاز کیا جاسکے اور کم و بیش بہتّر افراد پر مشتمل مختصر سی جماعت کا خاتمہ کرکے جلد از جلد فتح کا جشن منایا جائے۔ رات کا اندھیرا چھٹنے سے پہلے ہی لشکرِ یزید کی صف بندی شروع ہوگئی تھی۔

اُس زمانے میں جنگی لشکر کے تین حصے بنائے جاتے تھے اور تینوں کے الگ الگ کمانڈر مقرر کیے جاتے تھے۔ عمر ابن سعد نے اپنی فوج کے دائیں حصہ کی سرداری عمرو ابن حجاج زبیدی کو دی، جب کہ بائیں حصے کا سردار شمر ابن ذی الجوشن کو بنایا۔ گھڑسواروں کا کمانڈر عزرہ ابن قیس کو اور پیدل فوج کا افسر شبث ابن ربعی کو مقرر کیا، جب کہ یزیدی فوج کا پرچم اپنے غُلام "دُرید" کے ہاتھ میں دیا۔

اُدھر امام عالی مقامؑ نے بھی اپنے مختصر سے لشکر کی صف بندی کی۔ اپنے لشکر کے دائیں حصے کا سردار "زُہیر ابن قین" کو بنایا، جب کہ بائیں حصے کو "حبیب ابن مظاہر" کی سرداری میں دیا۔ حسینی لشکر کا عَلم اپنے بھائی حضرت ابوالفضل العباسؑ کو دے کر انہیں قلبِ لشکر کا کمانڈر مقرر کیا۔

امام حسین علیہ السلام کا لشکر اگرچہ تعداد میں بہت کم تھا، اور تھا بھی تین دن کا پیاسا اور بھوکا، مگر یہاں جنگ نظریے کی تھی اور اُن کا نظریہ یزیدیت کو نابود کرنے والا تھا، اس لیے وہ موت سے بے پرواہ ہو چکے تھے۔

وہ میدانِ جنگ میں جانے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔

وفا کے یہ پیکر بے سروسامانی کے عالم میں اپنی ایمانی طاقت کو اسلحہ بنائے ہوئے تھے، اور جنگی اسلحہ سے لیس یزیدی فوج کے خونخوار درندوں کے مقابلے کے لیے صف آراء تھے۔ وہ باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر امامِ وقت کی طرف سے اذنِ جہاد کے منتظر تھے۔

اس دوران میں امام حسین علیہ السلام کی نظر عمر ابن سعد کے لشکر پر پڑی اور دیکھا کہ وہ اپنی فوج کو منظّم کرنے اور اُس کی صف بندی کرنے میں مصروف ہے۔ اپنی چھوٹی سی جماعت کے مقابلے میں ہزاروں کا لشکر تیار ہوتے دیکھا تو بے ساختہ دعا کے لیے ہاتھ بلند کر دیے اور فرمایا:

"پروردگارا! ہر رنج و غم میں تُو ہی میرا سہارا ہے اور ہر مشکل میں تُو ہی میری اُمید کا مرکز ہے۔"

امام علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ دشمن جنگ کے لیے ہر طرح سے مکمل تیار ہے، مگر پھر بھی وہ چاہتے تھے کہ ایک دفعہ لشکرِ یزید سے بات کر لیں تاکہ کوئی بے خبری اور بے توجہی میں اُن کے قتل میں شریک نہ رہے۔

اِس مقصد کے لیے آپ علیہ السلام نے اپنے سر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمامہ پہنا، دوشِ مبارک پر نبیؐ کی عبا اوڑھی اور کمر کے ساتھ اپنے نانا کی تلوار لٹکا کر تیار ہو گئے۔ پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور خیموں سے کچھ دور لشکرِ ابن سعد کے سامنے چلے گئے۔ وہاں قرآن کھول کر اپنے آگے رکھا اور دشمن کی صفوں کے عین سامنے آ کر انہیں صدا دی اور فرمایا:

"اے لوگو! میری بات غور سے سنو اور جلد بازی نہ کرو۔ ذرا سوچو کہ تم نے کس جرم میں مجھے قتل کرنا جائز سمجھ لیا ہے۔ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا میں تمہارے نبی کے وصی اور

چچازاد بھائی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا حضرت حمزہ سید الشہداء میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا جعفر طیار بھی میرے چچا نہیں؟ ذرا میرے شجرۂ نسب اور خاندان کو تو دیکھو۔۔۔! کیا تم نے میرے اور میرے بھائی حسن علیہ السلام کے بارے میں اپنے رسولؐ سے یہ نہیں سنا کہ "یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں"؟

خدا کی قسم! میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، لیکن اگر تمہیں میری اس بات پر شک ہے اور تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو تمہارے نبی کے بعض اصحاب ابھی زندہ ہیں، اُن سے اِن باتوں کے بارے میں پوچھو،،، جاؤ اور جابر ابن عبداللہ انصاری، ابوسعید خُدری، سہل ابن سعد ساعدی، زید ابن ارقم اور انس ابن مالک میں سے کسی سے بھی پوچھ لو، وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول سنا ہے۔ کیا یہی ایک جملہ کہ "میں اور میرا بھائی جوانانِ جنت کے سردار ہیں" کافی نہیں جو تمہیں میرے قتل سے روک سکے؟

## عاشورا

عاشوراء یا یوم عاشور محرم الحرام کے دسویں دن کو کہا جاتا ہے۔ اس دن امام حسینؑ اور اُن کے اعوان و انصار کو کربلا میں انتہائی مظلومانہ حالت میں شہید کیا گیا۔

پوری دنیا کے مسلمان پیغمبرِ اسلام کے نواسے حسینؑ ابن علیؑ کی شہادت پر اس دن عزاداری کرتے اور گریہ وزاری کرتے ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

امام علیہ السلام کا یہ خطبہ جاری تھا اور شمر اندر ہی اندر سے پریشان ہو رہا تھا کہ امامؑ کی یہ گفتگو اُس کے سپاہیوں میں بغاوت نہ پیدا کردے۔ اس لیے اُس نے امامؑ کی خطبے کو کاٹ کر بیچ میں گفتگو کرنا شروع کر دی۔ مگر حبیب ابنِ مظاہر نے اس کو چپ کرا دیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنی گفتگو دوبارہ شروع کی اور لشکرِ یزید سے پوچھا:

کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں؟

کیا مشرق و مغرب اور پوری دنیا میں میرے علاوہ نبیؐ کا کوئی اور نواسہ ہے؟

کیا میں نے تمہارا کوئی آدمی قتل کیا ہے کہ جس کے بدلے مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟

یا کیا میں نے کسی کا مال چرایا ہے؟ یا کسی کو زخمی کیا ہے جس کا بدلہ لینا چاہتے ہو؟

امام حسین علیہ السلام کا یہ خطبہ جاری تھا اور لشکرِ یزید پر سناٹے کا عالم تھا، ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی، ان سوالوں کے جواب میں سب زبانیں خاموش تھیں اور کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ خطبے کے دوران امام علیہ السلام کو اُن لوگوں کے چہرے بھی صاف نظر آرہے تھے

جنہوں نے خط لکھ کر امام حسینؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی مگر اب وہ تلواریں اُٹھا کر کر لشکرِ یزید میں کھڑے تھے۔ امامؑ نے اُن میں سے بعض کے نام لے کر انہیں آواز دی، اور کہا:

اے شبث ابن ربعی، اے حجار ابن ابجر، اے قیس ابن اشعث، اے یزید ابن حارث! کیا تم لوگوں نے مجھ خط نہیں لکھا تھا کہ مولا پھل پکنے والے ہیں، باغ سرسبز وشاداب ہیں اور لشکر آپ کے لیے تیار ہیں بس آپ کوفہ تشریف لے آیئے؟؟؟

امام علیہ السلام کے ان سوالوں کا مثبت جواب دینے کی بجائے عمر ابن سعد کے لشکر میں جنگ شروع کرنے کے لیے پرچم لہرا دیے گئے، ڈھول اور باجوں کی آوازیں گونجنے لگیں اور دشمن نے امام حسین علیہ السلام کے لشکر اور خیموں کو انگوٹھی کے حلقے کی طرح اپنے گھیرے میں لے کر محاصرہ کر لیا۔ امام علیہ السلام نے دوبارہ ان سے کوئی بات کہنا چاہی تو انہوں نے شوروغل شروع کر دیا تاکہ امامؑ اپنی بات نہ کر سکیں۔ پھر بھی امامؑ نے دوبارہ خطبہ دے کر عمر ابن سعد اور اُس کے لشکر کو اپنے قتل سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ جس پر عمرو ابن حجاج، جو لشکرِ یزید کے دائیں حصے کا سردار تھا اور چار ہزار سپاہیوں کا کمانڈر تھا، اپنے سپاہیوں کو امام علیہ السلام کے خلاف جنگ کے لیے اُکساتے ہوئے (العیاذ باللہ) کہنے لگا:

"اُس شخص کے خلاف جنگ کرو، جو دین سے نکل گیا ہے اور جو مسلمانوں سے خارج ہو گیا ہے۔"

امامؑ نے اُس کی گستاخی سنی تو فرمایا:

"کیا ہم، جو کہ خاندانِ پیغمبرؐ ہیں اور وحی جن کے گھر میں نازل ہوئی ہے، دین سے خارج ہو گئے ہیں اور تُو دین پر قائم ہے؟؟؟

امام علیہ السلام کا خطبہ مکمل ہونے کے بعد زُہیر ابن قین نے آپؑ سے اجازت لے کر میدان کا رُخ کیا تاکہ لشکرِ یزید کو سمجھا سکیں اور پھر انہوں نے بھی خوبصورت خطبہ دیا۔ ان خطبوں نے حر کے پریشان و پشیمان دل پر بڑا اثر دکھایا اور وہ لشکرِ یزید کو چھوڑ کر سپاہِ حسینؑ میں آشامل ہوئے۔ پھر انہوں نے بھی لشکرِ یزید کو سمجھانے کی خاطر ایک بھرپور خطبہ دیا۔ یوں امامؑ اور اُن کے اصحاب کی طرف سے لشکرِ یزید کو قتلِ امامؑ سے روکنے کی سرتوڑ کوششیں کی گئیں۔ مگر جنابِ حر کے لشکرِ حسینؑ میں آجانے پر عمر ابن سعد بلکہ یزید کے پورے لشکر کو بہت غصہ آیا کیونکہ یہ عین جنگ کے آغاز پر ہی ان کی نظریاتی اور اخلاقی شکست تھی کہ اُن کا کوئی فرد ٹھنڈا پانی، آسائشیں اور عہدہ و اقتدار چھوڑ کر ان کے مدمقابل لشکر سے جا ملا ہو جہاں پینے کے لیے ایک جام پانی بھی موجود نہ ہو اور موت آنکھوں میں آنکھیں ملائے سامنے کھڑی ہو۔

اسی غصے اور طیش کے عالم میں عمر ابن سعد خیمے کے اندر گیا اور پھر کچھ ہی دیر میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر کے سامنے نمودار ہوا، تُرکش سے تیر نکال کر کمان پر چڑھایا اور تیر کو لشکرِ حسینؑ کی طرف پھینکتے ہوئے اپنی فوج کو گواہ بنا کر کہنے لگا:

"اے سپاہ! اپنے امیر ابن زیاد کے سامنے گواہ رہنا کہ لشکرِ حسینؑ پر پہلا تیر پھینکنے والا میں عمر بن سعد ہوں۔

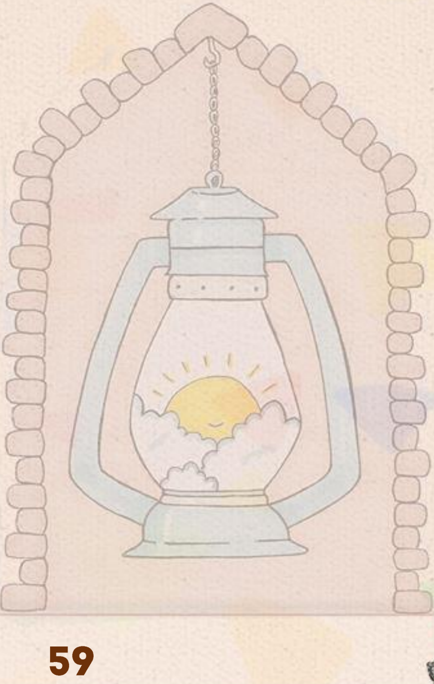

عمر ابن سعد کا تیر پھینکنا تھا کہ سپاہِ یزید نے تیروں کی بارش شروع کر دی اور تیر بارش کے قطروں کی طرح لشکرِ حسینؑ اور اُن کے خیموں پر برسنے لگے۔


کربلا کی باتیں (جوانوں کے لیے)
ہمارا جوان، ہماری امید

اب نقارۂ جنگ بج چکا تھا، امام حسین علیہ السلام نے اپنے نڈر اور بے خوف اصحاب کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے انہیں مخاطب ہو کر فرمایا:

"اُٹھو اے عزت و غیرت والو، اُٹھو اور اُس موت کی طرف بڑھو جس سے فرار ممکن نہیں۔ لشکرِ سعد کے تیر تمہارے لیے اعلانِ جنگ ہیں۔ جان رکھو کہ خدا کی قسم! تمہارے اور جنت کے درمیان بس صرف موت حائل ہے کہ جس کے بعد تم جنت پہنچ جاؤ گے۔"

تیروں کی یہ بارش امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کے عزم اور حوصلے کو پست نہ کر سکی، بلکہ امامؑ کی طرف سے جنگ کی اجازت ملنے پر وہ لڑنے مرنے کے لیے آمادہ و تیار ہو گئے اور لشکرِ یزید کے تیروں کا جواب تیروں سے دیتے ہوئے اُن پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ کچھ دیر جاری رہا، جب حملہ ختم ہوا اور غبارِ جنگ چھٹا تو معلوم ہوا کہ لشکرِ سعد کے تیر لگنے اور ابتدائی جنگ کے نتیجے میں امام حسین علیہ السلام کے پچاس کے قریب اصحاب جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔

پھر اس کے بعد "ایک کے مقابلے میں ایک" کی جنگ کا سلسلہ شروع ہوا۔ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب ایک ایک کر کے امامؑ سے اذنِ جہاد لے کر میدان جاتے رہے اور شہید ہوتے رہے۔ جنگ لمحہ بہ لمحہ شدت اختیار کرتی جا رہی تھی اور شہیدوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک طرف امامؑ کے اصحاب اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے کٹے ہوئے لاشے اور زخموں سے پارہ پارہ جسم دیکھ کر دُکھی اور غمگین ہو رہے تھے تو دوسری طرف بعض اصحاب کی یہ حالت تھی کہ جوں جوں جنگ میں شدت آ رہی تھی اور جیسے جیسے وہ شہادت سے نزدیک ہو رہے تھے، اُن کے چہرے نکھرتے جا رہے تھے، اور اُن کے سکون میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

شہیدوں کے سردار امام حسین علیہ السلام کا حوصلہ اور اُن کی حالت دیکھ کر تو سب اصحاب حیران اور ششدر تھے اور پھر ایک دوسرے سے کہتے تھے:

"اُنْظُرُوا لَا يُبَالِي بِالْمَوْتِ

انہیں دیکھو! انہیں موت کی ذرہ برابر پرواہ نہیں"

سب سے پہلے امامؑ کے اصحاب نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور اپنے وقت کے امامؑ پر اپنی جانیں

قربان کر دیں۔ پھر ہاشمی جوانوں کی باری آئی تو علی اکبرؑ میدان میں جانے کی اجازت لینے کے لیے سب سے پہلے حاضر ہوئے۔ پھر ایک ایک کرکے دیگر ہاشمی جوان بھی راہِ حق پر قربان ہوگئے۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ سپاہِ حسینی میں سے فرزندِ زہراءؑ کے علاوہ کوئی زندہ نہ بچا تھا اور امامؑ یکا و تنہا رہ گئے تھے۔ دائیں بائیں ہر طرف آپؑ کے اعوان و انصار کے خون میں غلطاں لاشے پڑے تھے۔ ایسے میں امام حسین علیہ السلام نے اتمامِ حجت کے لیے استغاثہ بلند کیا کہ

"کوئی ہے جو حرمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنوں سے حفاظت کرے، ہے کوئی جو ہماری فریاد سنے اور اللہ سے اجر پانے کے لیے ہماری مدد کرے"

**استغاثہ**

استغاثہ کا معنی فریاد کرنا اور داد خواہی کرنا ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اعوان و انصار کی شہادت کے بعد اپنی مدد کے لیے ایک فریاد بلند کی تھی جو امام حسین علیہ السلام کا استغاثہ کہلاتی ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

امامؑ کی یہ صدا سن کر خیام میں رونے کا شور بلند ہوا تو آپؑ خیموں میں تشریف لے گئے۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپؑ کے چھ ماہ کے بیٹے جناب علی اصغرؑ پیاس سے جاں بلب ہیں اور تڑپ رہے ہیں۔ امامؑ نے اپنے کمسن بیٹے کو اپنے ہاتھوں پر اٹھایا اور فوجِ اشقیاء کے سامنے لے آئے، اور فرمایا:

اے قومِ اشقیاء! تم لوگوں نے میرے چاہنے والوں اور میرے اہل بیتؑ کو قتل کردیا ہے۔ خیام میں اب یہ بچہ باقی ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی یہ پیاس کی شدت سے کس طرح تڑپ رہا ہے۔ اس کا تو کوئی جرم نہیں، اسے پانی کا ایک گھونٹ پلا دو۔

امام حسین علیہ السلام کے ہاتھوں پر پھول جیسا ایک کمسن اور پیاسا بچہ دیکھ کر فوجِ یزید میں بے چینی پیدا ہوگئی، اور وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس بچے کو پانی پلا دینے میں آخر کیا حرج ہے، یہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے اور ہمارا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔

ابھی امام حسین علیہ السلام نے اپنی بات مکمل بھی نہ کی تھی کہ عمر ابن سعد نے اپنی فوج کی حالت کو دیکھ کر حرملہ کو حکم دیا کہ ایسا تیر چلاؤ کہ حسینؑ کی یہ گفتگو یہیں رُک جائے۔

تاریخِ انسانی میں اس سے قبل شاید ہی کسی دشمن نے چھ ماہ کے بچے کو تیر کا نشانہ لے کر مارا ہو۔ مگر کربلا میں عمر ابن سعد کا حکم ملنے کے بعد حرملہ نے تین شاخوں والا تیر لیا، اور اپنی کمان میں چڑھا کر علی اصغرؑ کا نشانہ لیا اور تیر چلا دیا۔

چونکہ تیر بہت بڑا تھا اور شہزادہ علی اصغرؑ صرف چھ ماہ کے تھے اس لیے وہ تیر ایک کان سے دوسرے کان تک علی اصغرؑ کے گلے کو چیر کر پار ہو گیا۔

امام علیہ السلام نے اپنے شیر خوار بیٹے کے گلوئے اطہر سے فوارے کی طرح خون نکلتا ہوا دیکھا تو آسمان کی طرف رُخ کیا اور فرمایا:

اے اللہ تو ہی ہمارے اور اُس قوم کے درمیان فیصلہ کر، جس نے ہمیں بلایا تاکہ ہماری حمایت اور مدد کریں، اور جب ہم آگئے ہیں تو ہمیں قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔

مظلومِ کربلاؑ نے اپنے کمسن بیٹے کا لاشہ ہاتھ پر اٹھایا اور خیمہ کی طرف واپس جانے لگے۔ پھر کچھ خیال آیا تو چند قدم کے بعد رک گئے۔ گھوڑے سے اترے اور اپنی تلوار سے ننھی سی قبر کھودی۔ پھر علی اصغرؑ کی نمازِ جنازہ پڑھی اور اپنے علی اصغرؑ کا لہولہان لاشہ اس قبر میں دفن کر دیا۔

ننھی سی قبر کھود کے اصغرؑ کو گاڑ کے
شبیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

## درسِ کربلا

- اسلام صلح، امن اور مذاکرات کا داعی ہے، اگرچہ دشمن کی فوجوں پر فوجیں کربلا میں جمع ہو چکی تھیں مگر امام علیہ السلام نے مذاکرات کا دروازہ آخر وقت تک بند نہ کیا اور انہیں جنگ سے روکنے کی حتی الامکان کوشش کرتے رہے۔
- امام علیہ السلام نے اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک اپنے دشمنوں اور اپنے اصحاب کے قاتلوں کو راہِ ہدایت پر لے آنے کی کوشش کی۔
- اگر انسان حق کی راہ پر کھڑا ہو تو ہزاروں کی سامنے بھی ڈٹ جاتا ہے مگر اپنا سر نہیں جھکاتا یہاں تک کہ وہ راہِ حق میں امر ہو جاتا ہے۔
- امام حسین علیہ السلام نے جنگ کے آغاز سے پہلے خدا سے دعا و مناجات کیں اور ہمیں بتایا کہ زندگی کی کسی بھی مہم کا آغاز خدا سے مدد اور نصرت ضرور طلب کرنی چاہیے۔

السلام علی الحسین
وعلی علی بن الحسین
وعلی اولاد الحسین
وعلی اصحاب الحسین

# مشق

١. لشکرِ عمر سعد کی جنگی ترتیب کیسے بنائی گئی تھی؟
٢. امام حسینؑ نے اپنے مختصر لشکر کی صف بندی کیسے کی؟
٣. عاشور کی صبح جب امام حسینؑ نے اپنی چھوٹی سی جماعت کے مقابلے میں ہزاروں کا لشکر تیار ہوتے دیکھا تو کیا دعا فرمائی؟
٤. لشکرِ یزید پر آخری حجت تمام کرنے کے لیے امام حسینؑ کس طرح تیار ہو کر اُن کے سامنے گئے؟
٥. امام حسینؑ نے لشکرِ یزید کے سامنے اپنا نسب کیسے بیان کیا اور اپنے خطبے میں بعض اصحابِ رسول ﷺ کے نام کیوں لیے؟
٦. امامؑ نے جب اُن لوگوں کو لشکرِ یزید میں دیکھا جنہوں نے امامؑ کو خط لکھ کر بلایا تھا، تو امامؑ نے اُن کے بارے میں کیا کہا؟
٧. امام حسینؑ کے خطبہ کو قطع کرنے کے لیے کیا کیا کوششیں کی گئیں؟
٨. حضرت حر کس وقت لشکرِ امام حسینؑ سے آملے تھے، اور اُن کے آجانے پر لشکرِ یزید اور عمر بن سعد کا کیا ردعمل تھا؟
٩. عمر بن سعد کے تیر پھینکنے اور نقارہ جنگ بجانے پر امامؑ نے اپنے اصحاب سے کیا فرمایا؟
١٠. امام حسینؑ کا جذبہ اور حوصلہ دیکھ کر آپؑ کے اصحاب آپس میں کیا بات کرتے تھے؟
١١. امام حسینؑ کا استغاثہ سن کر کس نے اپنے آپ کو پیش کیا؟
١٢. امام حسینؑ نے علی اصغرؑ کے لیے جب پانی مانگا تو عمر بن سعد نے کیا کہا؟
١٣. جناب علی اصغر کو کس نے ظلم کا نشانہ بنایا؟
١٤. امام حسینؑ نے گنجِ شہیداں میں کس جگہ پر علی اصغر کا لاشہ رکھا؟

# شامِ غریباں

وہ ایک قیامت خیز دن تھا، اللہ نے جب سے زمانے کو اور زمین کو پیدا کیا، ایسا سخت اور درد ناک دن دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ اُس دن بہتّر (۷۲) پاکیزہ لوگوں کا تیس ہزار کے بے رحم لشکر سے سامنا تھا۔ نمازِ صبح سے لے کر اب تک کم و بیش اکہتّر (۷۱) لاشہ سید الشہداء علیہ السلام کے خیمہ کے باہر جمع ہو چکا تھا۔ ہر لاشہ زخمی اور لہولہان تھا۔ میدان سے کوئی بھی زندہ نہ لوٹا تھا بلکہ جو بھی گیا وہ شہادت کا سرخ لباس پہن کر واپس آیا۔

حسینی خیموں میں امام حسین علیہ السلام اور اُن کے بیمار بیٹے علی زین العابدینؑ کے علاوہ کوئی مرد زندہ نہ بچا تھا۔ اور اب امام علیہ السلام بھی میدان جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے امامت کی ذمہ داریاں اور ضروری امانتیں اپنے بیٹے امام زین العابدینؑ کے حوالے کیں اور پھر اپنی بہن حضرت زینب علیہا السلام سے پرانا لباس مانگا، اتنا پرانا لباس کہ کوئی اُس لباس کو لُوٹنا بھی نہ چاہے۔ یہ لباس پہنا اور الوداع کرنے کے لیے آپؑ سید زادیوں کے جھرمٹ میں کھڑے ہو گئے۔ ہر چہرے سے درد، ارمان، تکلیف، دُکھ اور حسرت برس رہی تھی۔

امامؑ کی چار سالہ بیٹی حضرت سکینہؑ نے اپنے بابا کو میدان جانے لیے تیار دیکھا تو معصومانہ انداز میں سوال کیا کہ

"بابا کیا آپؑ نے بھی موت کی تیاری کر لی ہے؟"

امام علیہ السلام کا جواب بھی حضرت سکینہؑ کے سوال کی طرح درد بھرا تھا۔ آپؑ نے اپنی بیٹی کی طرف حسرت سے دیکھا اور فرمایا کہ:

"بیٹا! جس کا کوئی یار و مددگار نہ ہو اگر وہ موت کے لیے تیار نہ ہو تو اور کیا کرے۔"

حضرت سکینہؑ جانتی تھیں کہ صبح سے جو بھی میدان میں گیا وہ زندہ واپس نہ آیا۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ

اگر بابا بھی واپس نہ آئے تو خیموں میں عابدِ بیمار کے علاوہ کوئی مرد نہیں ہے جو دشمن سے ان کی حفاظت کر سکے۔ دشمن کی فوج کے درمیان عالمِ غربت و تنہائی میں حضرت سکینہؑ کو اپنا شہر مدینہ یاد آگیا اور وہ بابا سے فریاد کرنے لگیں کہ

"بابا جان! اگر آپ نے بھی موت کی تیاری کر لی ہے تو پھر آپ ہمیں اپنے نانا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر مدینہ لوٹا دیں۔"

امامؑ نے بے بسی کے عالم حضرت سکینہؑ کو دلاسہ دیا اور پیار کرتے ہوئے فرمایا: "بیٹا واپس لوٹانے کی فرصت بھی نہیں" پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اپنے اہل بیت علیہم السلام کو الوداع کر کے میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔

جس قافلے کا آخری سہارا بھی موت کی طرف رخصت ہوا ہو، اُن کی حالت کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ کچھ ہی دیر کے بعد امامؑ کا گھوڑا دوڑتا ہوا اور ہنہناتا ہوا خیام کی طرف واپس آیا۔ جب خواتین نے امامؑ کی سواری کی آواز سنی تو دوڑ کر خیمے کے دروازہ پر آئیں مگر کیا دیکھتی ہیں کہ گھوڑا اپنے سوار کے بغیر واپس آیا ہے، زین جھکی ہوئی ہے، لگام کٹی ہوئی ہے، بدن پر تیر لگے ہوئے ہیں، سر اور گردن امامؑ کے خون سے رنگین ہے اور گھوڑا اپنے سوار کی شہادت کی خبر دے رہا ہے۔ یہ دیکھ کر خواتین میں آہ و بکا اور گریہ وزاری بلند ہوا۔

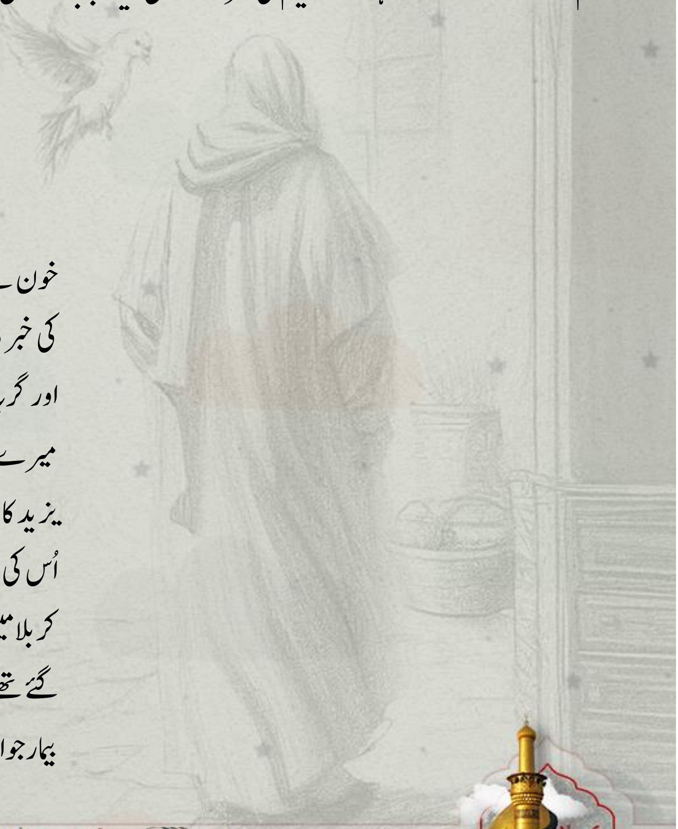

میرے عزیز دوستو!

یزید کا مقصد اب پورا ہو چکا تھا، کیونکہ جس سے اُس کی دشمنی اور اختلاف تھا اُن کو ساتھیوں سمیت کربلا میں شہید کر دیا گیا تھا۔ خیموں میں جو زندہ بچ گئے تھے وہ یا تو کمسن بچے تھے، یا پھر خواتین اور ایک بیمار جوان یعنی امام سجاد علیہ السلام تھے۔ انسانیت کا تقاضہ

تھا کہ نبی کی بہو بیٹیوں، شہداء کے وارثوں اور یتیموں کو احترام کے ساتھ اُن کے وطن مدینہ پہنچایا جاتا۔ مگر سرزمینِ کربلا نے ابھی اور بھی ظلم و ستم دیکھنے تھے۔ایسے ظلم کہ علیؑ کی بیٹیاں اپنے بھائی حسینؑ کی شہادت پر آنسو بہانا بھی بھول گئیں۔ کیونکہ اب لشکرِ یزید سے کچھ اس طرح کی آوازیں آرہی تھیں کہ

لوٹو تبرکاتِ علیؑ و بتولؑ کو
قیدی بناکے لے چلو آلِ رسولؐ کو

اب جو سانحہ ہونے والا تھا اور اُس کے بعد جو رات آنے والی تھی نیلے آسمان کے نیچے اور فرشِ خاکی کے اوپر ایسا دردناک، تکلیف دہ اور قیامت خیز سانحہ کبھی نہیں گزرا ہوگا۔ کہ اس درد اور تکلیف کو لکھا جاسکتا ہے نہ بیان کیا جاسکتا ہے۔

## شامِ غریباں

عربی زبان میں "غریب" اُن لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنے وطن سے دور ہوں۔
عاشور کے بعد آنے والی رات کو، اہلِ بیتؑ کے افراد کربلا کے صحراء میں اکیلے اور بے یار و مددگار رہ گئے تھے۔ ان کی یاد میں منائی جانے والی اِس رات کو "شامِ غریباں" کہتے ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

سیدزادیاں ابھی امام حسین علیہ السلام کے غم میں نڈھال بیٹھی تھیں کہ عمر ابن سعد نے خیمے لوٹنے کا اعلان کر دیا۔اُن خیموں کو لُوٹ لینے کا اعلان جن میں چھوٹے چھوٹے یتیم بچے، شہیدوں کی وارث خواتین اور رسولؐ کی بیٹیاں موجود تھیں۔ اس اعلان کا ہونا تھا کہ یزیدی فوج، حسینی خیموں میں داخل ہو گئی اور لوٹنا شروع کر دیا۔جب انہوں نے سارا سامان لوٹ لیا تو پھر ڈرے اور سہمے ہوئے بچوں اور عورتوں پر ظلم و ستم کرنے لگے ۔اِن ظالموں نے سید زادیوں کے کانوں سے گوشوارے کھینچ لیے، پاؤں سے نعلین اتار لیے، یہاں تک کہ نبیؐ کی بیٹیوں کے سروں سے چادریں بھی چھین لیں۔اس قدر ظلم کیا کہ امام حسین علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ ایک ظالم کا نیزہ لگنے سے منہ کے بل گر گئیں اور بے ہوش ہو گئیں۔

یہ ظالم خیامِ حسینی میں لُوٹ مار کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں امام زین العابدین علیہ السلام بسترِ بیماری پر دراز تھے۔ اُنہوں نے امامؑ کے نیچے سے چمڑے کا بستر کھینچ کر انہیں زمین پر گرادیا، اور چاہا کہ قتل کر دیں مگر اللہ نے انہیں محفوظ رکھا۔

سب کچھ کر لینے کے بعد بھی یہ خونخوار درندے اور ظالم، اس پر بس نہ ہوئے بلکہ خواتین اور بچوں کی آخری پناہ گاہ، یعنی خیام کو آگ لگادی۔

میرے عزادار دوست !

تم جانتے ہو کہ جب کسی گھر پر کوئی آفت آپڑے تو مرد اُس کا مقابلہ کرتے ہیں، مگر اس قافلے کے سب مرد تو شہید کر دیے گئے تھے، صرف ایک بیمار امامؑ، پردہ نشین خواتین اور کچھ چھوٹے بچے ہی زندہ تھے۔ بچے اپنے ارد گرد ہر طرف لگی ہوئی آگ دیکھ کر ڈر گئے اور جلتے ہوئے خیموں سے باہر نکل بھاگے۔ بچوں کی مائیں اپنے بچوں کے پیچھے ننگے سر، ننگے پاؤں، لٹی ہوئی، روتی اور بین کرتی کربلا کے کھلے صحراء میں باہر نکل آئیں جہاں ان کے لیے کوئی پردہ تھا اور نہ ہی کوئی آسرا و سہارا، بلکہ ان کے پیاروں کے قاتل ہر طرف دندناتے پھر رہے تھے۔

یہ رات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں اور یتیم بچوں کے لیے مشکل ترین رات تھی، ان کے وارث قتل ہو چکے تھے، سامان لٹ چکا تھا، خیام جل چکے تھے، خواتین کے گوشوارے چھن جانے کی وجہ سے کان زخمی تھے اور اُن سے خون جاری تھا، نعلین اتر چکے تھے، مائیں بے حال تھیں اور اُن کی گودیاں اجڑ چکی تھیں، بچوں کے سہارے اٹھ چکے تھے اور وہ اپنے بزرگوں کی یاد میں نڈھال ہو رہے تھے، انہیں یتیمی کے بعد ابھی اسیری بھی دیکھنا تھی، سب پیاس کی شدت سے تڑپ رہے تھے مگر دلاسہ دینے والا کوئی نہ تھا۔ ہاں وہاں سامنے ان کے پیاروں کی خون میں نہائی ہوئی اور سر بریدہ لاشیں بے گور و کفن پڑی تھیں، واقعتاً عجیب ہولناک رات تھی۔

ان غریبوں پر آنسو بہانے والے میرے عزیز دوست !

اس معرکہ میں حضرت زینب علیہا السلام کے اٹھارہ خونی رشتہ دار، جن میں سات سگے بھائی، پانچ بھتیجے اور دو بیٹے شامل تھے صرف دو پہر میں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے، جن کی کٹی ہوئی لاشیں اب میدانِ کربلا میں بے کفن پڑی تھیں۔ مگر یہی وہ وقت تھا جب علیؑ کی شیر دل بیٹی ڈرے ہوئے یتیم بچوں اور لٹی ہوئی خواتین کے لیے، قافلہ سالار بن گئیں۔ کیونکہ اُس وقت مَردوں میں صرف امام سجادؑ زندہ تھے جو شدید بیمار تھے اور حضرت زینبؑ اس مشکل وقت میں ان کی حفاظت اور نگہداشت بھی کر رہی تھیں اور لٹے پٹے قافلے کو دلاسہ اور سہارا بھی دے رہی تھیں۔

حضرت زینب علیہا السلام اپنی امتحان گاہ میں کمال صبر اور حوصلے سے ہر آزمائش کا مقابلہ کر رہی تھیں، مگر ابھی رات ڈھلنے والی تھی، اور اُن کے قافلے کو قیدی بن کر ایک لمبے، کٹھن اور انوکھے سفر پر جانا تھا، ایسے سفر پر کہ جس میں ان کے سروں پر چادریں نہ تھیں، اپنے پیاروں کی لاشوں کو کربلا میں چھوڑنا تھا، اور اُن کے کٹے ہوئے سروں کو اپنے ہمراہ شہر

یہ شہر نیزوں پر بلند دیکھنا تھا۔ مہمان نہیں بلکہ قیدی بن کر کوفہ و دمشق کے بازار و دربار میں جانا تھا، لوگوں سے خطاب کرنا تھا اور انہیں خطبے دے کر بتانا تھا کہ جس کا سر نوکِ نیزہ پر ہے وہ باغی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹا اور جنتیوں کا سردار حسین علیہ السلام ہے۔ چادروں کے بغیر کھڑی خواتین، ترک و دیلم کی قیدی نہیں بلکہ جس رسولؐ کا تم کلمہ پڑھتے ہو اُس کی بہو بیٹیاں ہیں۔ اور جن یتیم بچوں کے ہاتھوں میں رسیاں ہیں، وہ بازاروں میں بِکنے والے غلام نہیں بلکہ "پیغامبرانِ نینوا" اور "یوسفِ کربلا" ہیں۔

اس سفر کے اختتام پر بنتِ علی علیہا السلام نے یزید کے تمام منصوبے خاک میں ملا کر اور اسلام کو نئی زندگی دے کر اپنے نانا کے وطن مدینہ پلٹنا تھا۔

# درسِ کربلا

- ❖ امام کا انتخاب اللہ کا ذات کرتی ہے اور کوئی بھی زمانہ امام کے وجود سے خالی نہیں ہو سکتا۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے آخری وقت میں امامت کی امانتیں اور ذمہ داریاں اپنے بعد والے امامؑ کے حوالے کیں۔
- ❖ عصرِ عاشور اور شامِ غریباں کے واقعات کو دیکھا جائے تو ظاہراً یزید کامیاب ہو چکا تھا اور اپنے مقابل کو پورے لشکر سمیت زیر تہِ تیغ کر چکا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ خدا کا منصوبہ کیا ہے اور وہ باطل کو کیسے نابود کرتا ہے۔ کیونکہ بالآخر حق نے زندہ رہنا ہوتا ہے اور باطل کو مٹنا ہوتا ہے۔
- ❖ اگر آپ حق پر کھڑے ہوں اور کبھی ظاہراً ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو تو ہر گز مایوس اور پریشان نہ ہوں کیونکہ درسِ کربلا یہی ہے کہ باطل نے مٹ جانا ہے اور حق اور اہلِ حق نے ہمیشہ کے لیے امر ہو جانا ہے۔
- ❖ دین کی محافظت و مقاومت کے لیے نہ تو کوئی عمر کی حد ہے اور نہ ہی جنس کی قید۔ کربلا کے شہید اور کوفہ و شام کے اسیر اس بات کے گواہ ہیں۔

# مشق

۱. امام حسینؑ نے اپنے آخری وقت میں امامت کی ذمہ داریاں اور ضروری امانتیں کس کے سپرد کیں؟

۲. حضرت سکینہؑ نے جب اپنے بابا کو میدان میں جانے کے لیے تیار دیکھا تو کیا سوال کیا؟

۳. حضرت سکینہ کے جواب میں امام حسینؑ نے کیا فرمایا؟

۴. حضرت سکینہ کو کب مدینہ یاد آیا اور انہوں نے اپنے بابا سے مدینہ کے بارے میں کیا کہا؟ امامؑ کا اپنی بیٹی کو جواب کیا تھا؟

۵. امام حسینؑ کا گھوڑا کس حال میں میدان سے خیام کی طرف واپس آیا؟

۶. خیام میں کس خاتون کو ایک ظالم کا نیزہ لگا جس سے وہ بے ہوش ہو گئیں؟

۷. خیموں کو لوٹتے وقت امام سجادؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟

۸. خیام کو آگ لگنے کے بعد بچوں اور خواتین پر کیا گزری؟

۹. علیؑ کی بیٹی حضرت زینبؑ کے کتنے خونی رشتہ دار معرکہ کربلا میں ایک ہی دن میں شہید ہوئے؟

۱۰. کیا خیام کو آگ لگنا اس قافلے کے لیے آخری مصیبت تھی؟

# صرف بہتّر (۷۲) کیوں؟

یہ دو محرم کی رات تھی، عبداللہ اپنے بابا کے ساتھ ابھی ابھی مجلس سے واپس آیا تھا۔ وہ اپنے بستر پر جانے کی بجائے اپنے والد کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم نے مجلس میں سنا کہ آج کے دن یعنی دو محرم کو امام حسین علیہ السلام کا لشکر " کربلا" پہنچا تھا۔ بابا میرے ذہن میں کچھ عرصہ سے واقعہ کربلا سے متعلق کچھ سوالات ہیں، جو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں تاکہ اس بارے آپ کی راہنمائی حاصل کر سکوں۔

اُس کے بابا نے عبداللہ کو اپنے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ

" کیوں نہیں بیٹا؛ آؤ ادھر میرے پاس بیٹھو۔ آپ کو یہ سوال اسی روز پوچھ لینے چاہیے تھے جب یہ آپ کے ذہن میں آئے تھے، لیکن آؤ ہم آج اور ابھی ان سوالوں کے بارے میں بات کرتے ہیں۔"

عبداللہ کی چھوٹی بہن فاطمہ بھی یہ باتیں سن رہی تھی، وہ بھی آکر اُن کے ساتھ شامل ہو گئی اور دونوں بہن بھائی خوش ہو کر اپنے بابا کے پاس بیٹھ گئے اور اُن سے یوں سوال پوچھنے لگے:

**عبداللہ:** بابا! میں نے یہ پڑھا ہے اور سنا بھی ہے کہ جنگوں میں ہزاروں لاکھوں افراد کا لشکر ہوتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ جب لشکر کی کمانڈ حیدرِ کرار کا بیٹا اور ایک " جنتی سردار" کر رہا ہو، تو اس کے لشکر کی تعداد تو اتنی زیادہ ہونی چاہیے تھی کہ کوئی گن بھی نہ سکتا۔ لیکن میں جب کربلا میں امام حسین علیہ السلام کا لشکر دیکھتا ہوں تو یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ امام حسین علیہ السلام جب حق پر تھے تو ان کے لشکر کی تعداد کم کیوں تھی؟

**والد:** بیٹا ایسا ہر گز نہیں ہے کہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے لشکر کی تعداد کم تھی، بلکہ آپ یوں سمجھو کہ یہ اپنی نوعیت کا اور ان صفات کے حامل اہلِ حق کا کائنات کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔

**عبداللہ:** (حیران ہوتے ہوئے) مگر بابا وہاں تو صرف بہتر لوگ تھے پھر سب سے بڑا اجتماع کیسے؟

**والد:** بیٹا ! پہلی بات تو یہ کہ اگر حق پر ایک بھی ہو تو اسے کم نہ سمجھو کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ

" اکثر چھوٹے چھوٹے گروہ بڑی بڑی جماعتوں پر حکمِ خدا سے غالب آجاتے ہیں " (سورۃ البقرۃ: ۲۴۹)

بیٹا یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ حق کا معیار اکثریت نہیں ہے کہ تم اس بات کی وجہ سے شک میں پڑ جاؤ کہ لوگوں کی اتنی بڑی تعداد حق کے خلاف بھلا کیسے جا سکتی ہے۔ کیونکہ حق نہ تو تعداد کا محتاج ہے اور نہ ہی شخصیات کا، لہٰذا تم کبھی بھی اسے تعداد یا شخصیات کے ذریعے پہچاننے کی کوشش مت کرنا۔ حق کا اپنا ایک مزاج ہے اُس کو اسی مزاج اور طریقہ کار سے سمجھو پھر خود سے سمجھ جاؤ گے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔

دوسری بات یہ کہ واقعہ کربلا سے پہلے حق و باطل کے جتنے معرکے ہوئے، وہاں حق پرست اگرچہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جاتے تھے، مگر ایک امکان یہ بھی رہتا تھا کہ وہ فتح مند ہوں گے اور وہ زندہ و سلامت اپنی قوم و قبیلے میں واپس آجائیں گے۔

مگر کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے پاس بہتر افراد کا ایسا لشکر تھا جس کے کسی فرد کے زندہ بچ جانے کی کوئی امید نہ تھی، اور نہ ہی اُن میں سے کوئی زندہ واپس جانے کے لیے کربلا آیا تھا۔ اُن میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے بچوں اور خواتین کو بھی اپنے ہمراہ کربلا لائے تھے، مگر اُن کی یتیمی کا ڈر بھی انہیں موت سے خوفزدہ نہ کر سکا۔ انہیں نہ صرف اپنی موت کا یقین تھا بلکہ وہ اپنی شہادت کا انداز اور مقام امام حسین علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے سن چکے تھے۔ وہ موت کو سامنے دیکھ کر بھی حق پر ڈٹے رہے اور باطل لشکر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں للکارتے اور اُن پر حملے کرتے رہے۔ دس محرم کے دن وہ در حقیقت موت سے بے پرواہ ہو چکے تھے۔

**فاطمہ:** (فاطمہ جو ابھی تک بالکل خاموش بیٹھی تھی، بابا کے بتائے گئے اس منظر پر چونک پڑی اور کہنے لگی:) بابا! انہیں موت سے ڈر کیوں نہیں لگتا تھا؟

**والد:** بیٹا ! اُنہیں موت سے کیسا ڈر! اُن کی حالت تو یہ تھی کہ دس محرم کی صبح لشکرِ امام حسین علیہ السلام کے ایک بوڑھے سپاہی بُریر بن خُضیر نے اپنے دوست کے ساتھ کچھ مزاح کیا۔ انہیں امام علیہ السلام کے ایک اور سپاہی عبدالرحمٰن نے ٹوک کر کہا کہ

"بُریر!
یہ مزاح کا وقت تو نہیں ہے، دشمن ہمارے
قتل کے لیے تیار بیٹھا ہے اور اُسے ہماری
بھوک اور پیاس پر بھی ترس نہیں آرہا۔"

بریر بولے کہ.

"عبدالرحمٰن! خدا کی قسم میری قوم و قبیلے والے اور تم لوگ بھی اس بات سے واقف ہو کہ مجھے جوانی سے لے کر اس عمر تک کبھی مذاق سے دلچسپی نہیں رہی، مگر اس وقت اپنے مستقبل کے تصور سے میری خوشی کی انتہا نہیں، کیونکہ جونہی میدانِ جنگ میں تلواریں چلیں گی تو ہمیں اپنے امام علیہ السلام کی نصرت میں شہادت کی وہ موت ملے گی جس کی خوشخبری آج رات امام حسینؑ نے ہمیں دی ہے، پس خوشی اس بات کی ہے ہمیں آج کچھ دیر بعد شہادت کی موت کا رتبہ اور فرزندِ زہراؑ کے ہمراہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کا تحفہ ملنے والا ہے۔"۔

اپنے اصحاب کی یہ حالت اور کیفیت دیکھ کر امام حسین علیہ السلام نے انہیں کائنات کے بزرگ ترین صحابہ قرار دیا تھا اور اُنہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ

"میں نے اپنے اصحاب سے بہتر اصحاب کہیں نہیں دیکھے، اور نہ کسی کے اہلِ خانہ کو اپنے اہل بیت سے زیادہ باوفا اور حق شناس پایا۔ خدا آپ سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا کرے۔"

تو معلوم ہوا کہ یہ اس لیے حق پرستوں کا سب سے بڑا اجتماع تھا کیونکہ ایسے مشکل ترین حالات میں اپنے راہبر کے ساتھ کھڑے رہنے والے اور موت کو گلے لگا لینے والے اس سے زیادہ تعداد میں کبھی کہیں اکٹھے نہ ہوئے تھے۔ اُن کا موت کو دیکھ کر بھی حق پر ڈٹے رہنا اور اپنے راہبر و امامؑ کا ساتھ دینا کائنات کی سب سے بڑی مثال ہے۔

**عبداللہ:** بابا! یہ بات تو واضح ہو گئی کہ ایسے بہتر افراد کو اکٹھا کر لینا یقیناً تھوڑی تعداد نہیں لیکن میرے ذہن میں اب یہ سوال آرہا ہے کہ کیا اُس زمانے کے حق پرست صرف یہی لوگ تھے؟ اگر اِن کے علاوہ بھی تھے تو وہ کہاں تھے اور وہ حق و باطل کی اس جنگ میں شامل کیوں نہ ہوئے؟

**والد:** ایسا نہیں ہے کہ اُس زمانے میں امام حسین علیہ السلام کی معرفت رکھنے والے اور ان پر جان نچھاور کرنے والے صرف یہی اکہتر افراد تھے بلکہ ایسے افراد کی تعداد اکہتر سے کہیں زیادہ تھی۔

ہاں البتہ یہ صحیح ہے کہ وہ سب کربلا نہیں آسکے تھے جس کی چند ایک وجوہات تھیں۔ مثلاً محمد بن حنفیہ امام حسین علیہ السلام کے سگے بھائی تھے اور امام علیہ السلام کو حق پر سمجھتے تھے، اور امام کی ہدایت پر ایک اہم ذمہ داری کے لیے مدینہ میں ہی رُک گئے تھے۔

کچھ ایسے افراد بھی تھے جو کسی شرعی عذر کی وجہ سے کربلا نہ جاسکے جیسا کہ جناب عبداللہ ابن جعفر آنکھ کی بیماری کی وجہ سے یا پھر نابینا ہو جانے کی وجہ سے کربلا نہ آسکے تھے اور اپنی جگہ اپنے بیٹوں عون اور محمد کو نصرتِ امامِ حسین علیہ السلام کے لیے کربلا بھیجا تھا۔

اس کے علاوہ کوفہ اور اس کے گرد و نواح میں امام حسین علیہ السلام کے حقیقی پیروکاروں اور اہلِ بیت کے ماننے والوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ لیکن بصرہ اور کوفہ جیسے اہم شہروں میں آپؑ کے ماننے والوں کو پابندِ سلاسل کر دیا تھا۔ اور امام حسینؑ کے کربلا پہنچے سے پہلے ہی مسلم بن عقیل، سلیمان بن رزین، قیس ابن مسہر اور ہانی بن عروہ جیسے اہم افراد کو شہید کر دیا گیا تھا۔ اُن میں سے جو زندہ بچے تھے وہ بھی چند وجوہات کی بنا پر کربلا نہ پہنچ سکے، مثلاً۔۔۔

۱. کوفہ اور اُس کے آس پاس کے دیہاتوں سے امام حسین علیہ السلام کے حامیوں کی بہت بڑی تعداد گرفتار کرلی گئی تھی اور انہیں جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا، تاکہ وہ امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینے نہ جاسکیں، جیسا کہ امیر مختار اور اُن کے ہمنوا افراد اسی وجہ سے کربلا نہ جاسکے تھے۔

۲. کوفہ آنے اور جانے والے تمام رستوں پر ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ جو لوگ امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں جانے کے لیے کسی طرح کوفہ سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتے تھے انہیں کوفہ کے باہر مختلف جگہوں پر بنائی گئی چوکیوں پر گرفتار کرلیا جاتا، اور انہیں امامؑ کے لشکر تک نہ پہنچنے دیا جاتا۔

۳۔ لوگوں کے کم تعداد میں امام حسین علیہ السلام تک پہنچنے کی ایک اور اہم وجہ اُن تک بروقت اطلاع کا نہ پہنچنا بھی تھا۔ ایک تو اُس زمانے میں اطلاع رسانی کے قابلِ بھروسہ وسائل نہ تھے، کسی خبر یا واقعہ کو لوگوں تک پہنچتے پہنچتے مہینوں لگ جاتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام کے چاہنے والے بہت سارے ایسے تھے جنہیں کوفہ کے رستے میں آپؑ کو روکے جانے کی خبر آپؑ کی شہادت کے بعد ملی۔

۴۔ "کربلا" مکہ اور کوفہ کے رستے پر واقع نہیں بلکہ رستے سے تھوڑا ہٹ کر واقع ہے۔ یہ اُس زمانے میں ایک غیر معروف اور بے آباد علاقہ تھا۔ لہٰذا عام لوگوں کا گمان اِس طرف جانا ممکن نہیں تھا کہ امام علیہ السلام اگر کوفہ نہیں آرہے تو کربلا چلے گئے ہوں گے۔ لہٰذا ہم وہاں جا کر امامؑ کے ساتھ شامل ہوں جائیں۔

انہی وجوہات کی بنا پر بہت سے لوگ امام حسین علیہ السلام کے لشکر تک نہ پہنچ سکے تھے، البتہ مسلم بن عوسجہ اور حبیب ابن مظاہر کی طرح کچھ ایسے بھی تھے جو تمام رکاوٹیں توڑتے ہوئے امام علیہ السلام کے لشکر سے جا ملے تھے، اور اپنی جان آپؑ کے قدموں میں نچھاور کر دی تھی۔

**فاطمہ:** بابا! کیا یہ تاریخ کا واحد واقعہ ہے کہ جہاں حق پرستوں کی تعداد کم تھی؟

**والد:** نہیں میری بیٹی، واقعہ کربلا انسانی تاریخ کا منفرد واقعہ نہیں کہ جہاں اہلِ حق بہت تھوڑی تعداد میں تھے۔ بلکہ طولِ تاریخ میں جب بھی باطل، حق کے مقابلے میں آیا ہے تو حق پرست کم ہی تھے۔

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی مگر ان کے ماننے والے کم تھے اور انکار کرنے والے زیادہ۔ آپ یہ جان کر حیران ہو گی کہ کئی سو سال کی تبلیغ کے بعد بھی ان پر ایمان لانے والے اسّی (۸۰) افراد سے زیادہ نہ تھے، بلکہ ایک روایت میں تو ان کی تعداد صرف اٹھارہ (۱۸) بیان ہوئی ہے۔

صرف حضرت نوحؑ کی ہی بات نہیں بلکہ زیادہ تر انبیاء کے ماننے والے کم اور ان کا انکار کرنے والے تعداد میں بہت زیادہ ہوا کرتے تھے۔

آپ جانتی ہو کہ غزوہ بدر میں **نبی کریم** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف ۳۱۳ جانثار صحابی تھے جب کہ اُن کے مقابلے میں کم و بیش ایک ہزار کا لشکر تھا۔

اس سے قبل آپؐ نے مکہ میں تیرہ سال تبلیغ کی تھی، جس پر تھوڑے سے لوگوں نے لبیک کہا، جب کہ باقی پورا شہر جانی دشمن ثابت ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ مکہ کے ظلم و ستم کی وجہ سے مکہ چھوڑ کر مدینہ جانے لگے تو تب بھی بہت تھوڑے سے لوگ ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے، جب کہ اکثریت مشرکین مکہ کے ساتھ تھی۔ آپ کی تئیس سالہ تبلیغِ کے بارے میں قرآن نے بھی یہی بتایا تھا کہ

**وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ**

**آپ کی مشقتوں اور کوششوں کے باوجود بھی زیادہ تر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔**

بابا کی یہ ساری باتیں سُن کر **عبداللہ** بول پڑا کہ ؛" بابا ! اب ہم سمجھ گئے ہیں کہ اہلِ حق ہمیشہ کم ہوتے ہیں اور جب کوئی حق پر کھڑا ہو تو اُس کے لیے تعداد معنی نہیں رکھتی بلکہ اُس کے لیے حق کے ساتھ کھڑا ہونا ہی سب سے بڑی بات ہوتی ہے۔ ہم بھی اپنی زندگی میں کوشش کریں گے کہ کبھی حق کا ساتھ دینے سے اس لیے پیچھے نہ ہٹ جائیں کہ وہاں مشکلات زیادہ ہیں یا اُدھر لوگ کم ہیں۔"

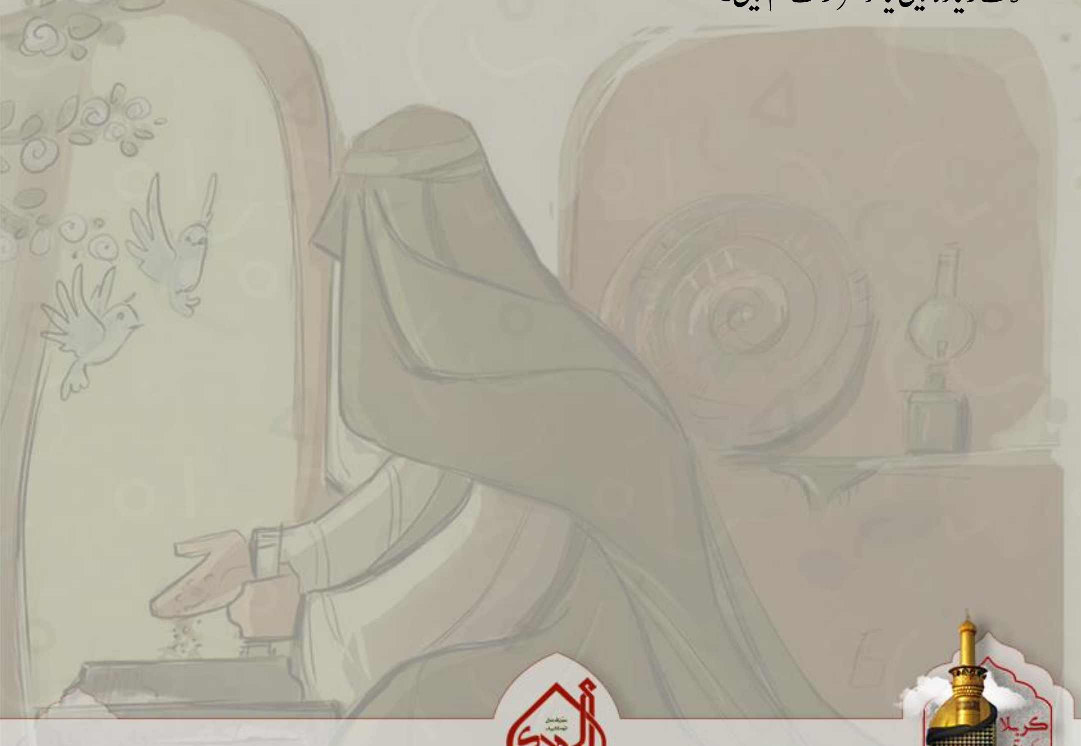

**فاطمہ:** اور بابا ہم یہ بات بھی صحیح سمجھے ہیں ناں کہ ضروری نہیں کہ سبھی حق پرست کربلا پہنچ سکیں، بلکہ کچھ کا محاذ الگ ہوتا ہے اور وہ وہیں حق کا معرکہ سرانجام دیتے ہیں، جیساکہ مسلم بن عقیل، امیر مختار اور جناب ہانی وغیرہ۔ اسی طرح ہم جہاں بھی ہوں اہلِ حق میں سے ہونا ضروری ہے۔

**والد:** جی بابا کی جان آپ دونوں بالکل صحیح سمجھے ہیں۔ کربلا کا مقصد اور پیغام یہی ہے کہ ہم اس کے اصولوں کو اپنے اوپر لاگو کریں، اور عملی میدان میں حق اور اہلِ حق کے ہمراہ جدوجہد کرتے ہوئے نظر آئیں۔

اب کافی دیر ہو گئی ہے، آپ دونوں جلدی سے سو جائیں، اگر کچھ اور پوچھنا ہوا تو کل مجلس سے واپسی پر دوبارہ بات کریں گے۔

**فاطمہ اور عبداللہ:** اللہ حافظ اور شب بخیر بابا جان

**والد:** سلامت رہیں اور یونہی سیکھتے اور عمل کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ (آمین)

فاطمہ اور عبداللہ نہایت مطمئن انداز میں سونے کے لیے چلے گئے۔

- کربلا حق کی کسی بھی چیز کے بارے جب بھی سوال پیدا ہو فوراً ہی اہلِ علم سے پوچھ لینا چاہیے۔
- کربلا خاص خصوصیات کے حامل اہلِ حق کا کائنات کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔
- حق کا معیار اکثریت نہیں، اور نہ ہی حق تعداد اور شخصیات کا محتاج ہے۔
- اہلِ حق کے لیے تعداد نہیں بلکہ اُن کا نظریہ اہم ہوتا ہے۔

السلام علی الحسین
وعلی علی بن الحسین
وعلی اولاد الحسین
وعلی اصحاب الحسین

خود آزمائی

# مشق

۱. جب امام حسینؑ حق پر تھے تو اُن کے لشکر کی تعداد اتنی کم کیوں تھی؟

۲. جناب بریر کے مذاق کرنے پر انہیں عبد الرحمٰن نے کیا کہا اور جناب بریر کا کیا جواب تھا؟

۳. امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے بارے میں کیا فرمایا تھا؟

۴. محمد حنفیہؒ اور عبداللہ ابن جعفر کربلا کیوں نہ آئے؟

۵. کوفہ والے کس وجہ سے امامؑ کے پاس زیادہ تعداد میں نہ پہنچ سکے؟

۶. حضرت نوحؑ پر کتنے لوگ ایمان لائے؟

۷. کیا اُس زمانے میں امام حسینؑ پر جان نچھاور کرنے والے یہی بہتر افراد تھے، اگر اور بھی تھے تو وہ معرکہ کربلا میں کیوں نہ حاضر ہوئے؟

۸. کیا اکثریت حق کا معیار اور اُس کی دلیل ہے؟ قرآن و سیرت سے مثال پیش کریں۔

۹. واقعہ کربلا کیسے حق پرستوں کا اپنی نوعیت کا سب سے بڑا اجتماع تھا؟

۱۰. کوفہ کی ناکہ بندی کس طرح سے کی گئی تھی؟ کیا کچھ لوگ نکلنے میں کامیاب بھی ہوئے تھے؟

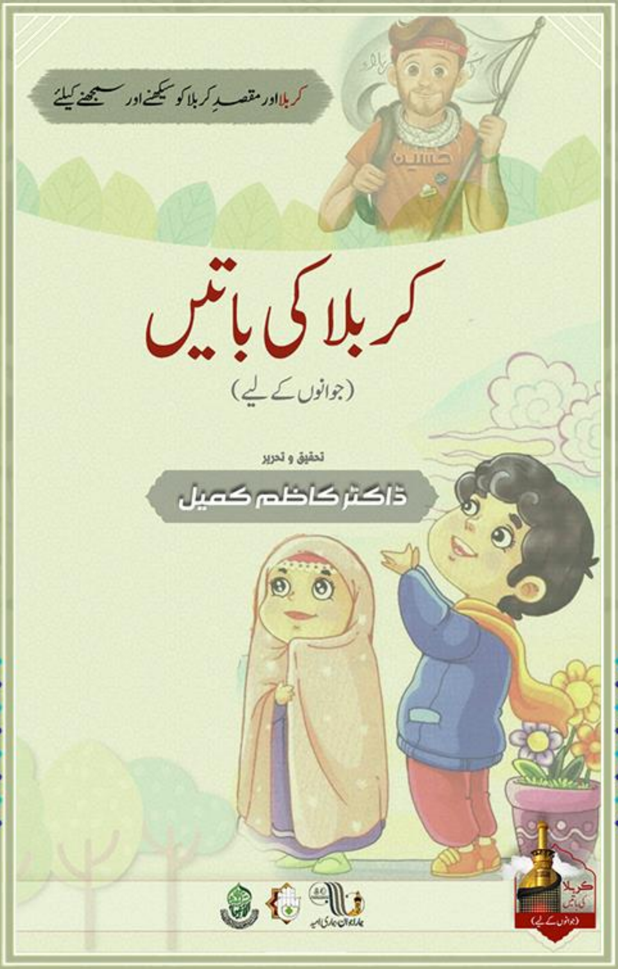
کربلا اور مقصدِ کربلا کو سیکھنے اور سمجھنے کیلئے
کربلا کی باتیں
(جوانوں کے لیے)
تحقیق و تحریر
ڈاکٹر کاظم کمیل